An International Literary Urdu Magazine Globally Circulated

लंदन से सबसे अधिक प्रकाशित होने वाला उर्दू अदब का मात्र अंतरराष्ट्रीय मैगजीन।

ماہنامہ قندیل ادب انٹرنیشنل لندن

شمارہ:93 ماہ ستمبر 2020ء

QINDEEL-E-ADUB INTERNATIONAL

80 STRATHDONE DRIVE LONDON SW17 0PW

(M) 0044-7886-304637, 0044-2089449385

www.qindeel-e-adub.co.uk, raharazzaq52@gmail.com

لندن سے شائع ہونے والا میدانِ ادب کا واحد کثیر الاشاعت بین الاقوامی اردو میگزین

میں ہندوستان ہوں

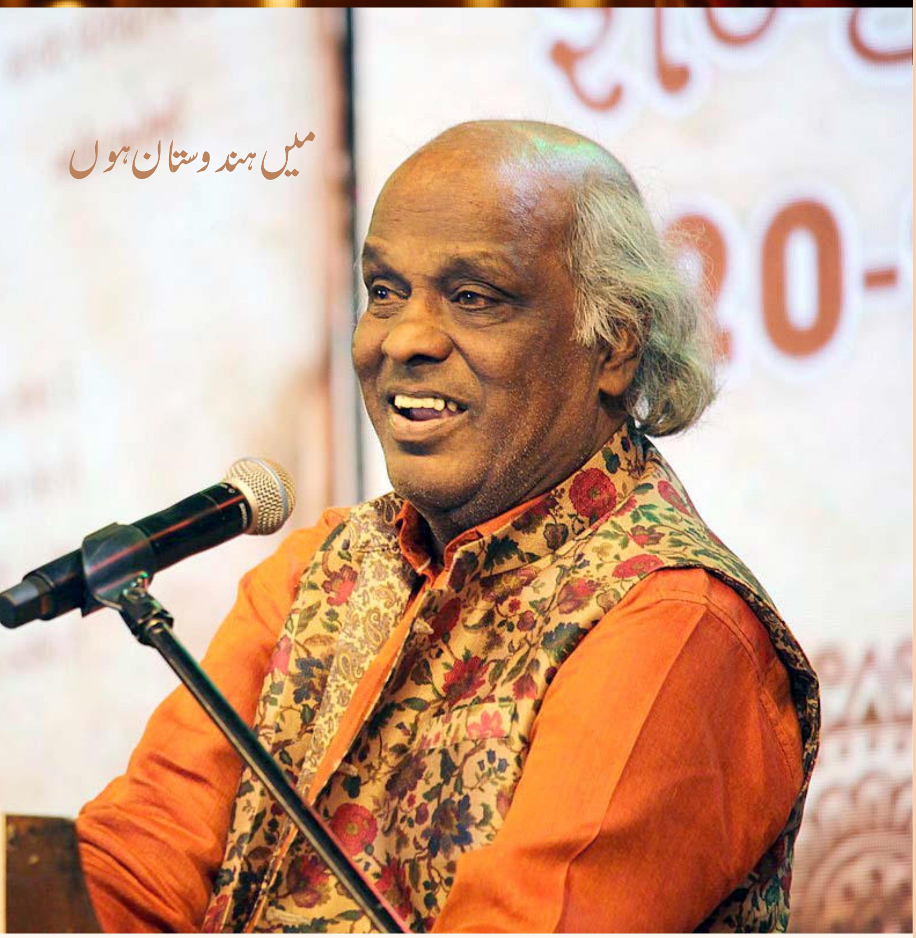

جنازے پر میرے لکھ دینا یارو
محبت کرنے والا جا رہا ہے

دو گز سہی مگر یہ مری ملکیت تو ہے
اے موت! تو نے مجھ کو زمیندار کر دیا

پھولوں کی دُکانیں کھولو خوشبو کا ویاپار کرو
عشق خطا ہے تو اسے ایک بار نہیں سو بار کرو

منتخب اشعار
راحت اندوری صاحب مرحوم
01 جنوری 1950
11 اگست 2020

جو آج صاحبِ مسند ہیں کل نہیں ہوں گے
کرائے دار ہیں ذاتی مکان تھوڑی ہیں

سبھی کا خون ہے شامل یہاں کی مٹی میں
کسی کے باپ کا ہندوستان تھوڑی ہے

زم زم و کوثر و تسنیم نہیں لکھ سکتا
اے نبی ؐ آپ کی تعظیم نہیں لکھ سکتا

میں اگر سات سمندر بھی نچوڑوں راحتؔ
آپ کے نام کی اک میم نہیں لکھ سکتا

Earlsfield Properties

Professional Residential Property Management Services

We will manage your property at 0% commission
Guaranteed
Rent Schemes for 3 & 5 years.

Free Management Services
Guaranteed Vacant Possession.

Get it Right

- ✓ Member National Landlord Association
- ✓ Member Deposit Portection Schemes
- ✓ Member The Property Ombudsman Scheme
- ✓ Winner of Pakistan Achievement Award 2014 (Excellence Management)
- ✓ Vastly Experience in Housing Benefits Clients.

PLEASE CONTACT: NAVEED SARWAR (MA EUROPEAN REAL ESTATE)

175 Merton Road, London SW18 5EF

Tel: 02082656000 02088770762
Fax: 02088749754
Email: info@earlsfieldproperties.com
Web: www.earlsfieldproperties.com

مجلس ادارت

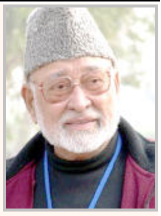

بانی اراکین

خان بشیر احمد رفیق مرحوم

آدم چغتائی مرحوم

مدیر

راناعبدالرزاق خان

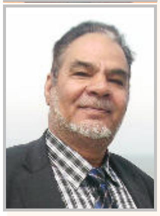

اراکین ادارتی بورڈ

ڈاکٹر منور احمد کنڈے، رضیہ اسمٰعیل برمنگھم، رند ملک کنیڈا، اسلم ناصر آسٹریلیا، ثقلین مبارک آسٹریلیا، رانا مبارک احمد بحرین، بشیر احمد خان سویڈن، راجہ منیر احمد، ڈاکٹر منصور خوشتر بھارت، منور احمد خورشید۔امجد مرزا امجد، طارق مرزا آسٹریلیا، عبدالقدیر کوکب، بشارت احمد چیمہ۔

التماس

تمام دوستوں سے التماس ہے کہ اپنی شعری ونثری تخلیقات اور ادبی پروگرامز کی رپورٹیں وغیرہ برائے اشاعت بصورت ''اِن پیج اردو'' فائلز مع تصاویر ای میل سے روانہ فرمائیں۔''قندیل ادب انٹرنیشنل'' بیسیوں ممالک میں لاکھوں اردو قارئین کے زیر مطالعہ رہتا ہے۔میگزین کے مندرجات پر آپ کے کمنٹ یا مختصر تبصرے ہمیں اپنا محاسبہ کرنے میں مدد دیتے ہیں۔ مضامین کے ساتھ ضروری حوالہ جات آپ کے مضامین کی افادیت کو بڑھاتے ہیں۔آپ کی بھیجی ہوئی تمام تصاویر وغیرہ'' کاپی رائٹ فری'' ہونی چاہئیں۔ شکریہ

E-mail: ranarazzaq52@gmail.com

IMPORTANT ANNOUNCEMENT

"Qindeel-e-Adab International" magazine is a non-commercial and non-profit e-product, as well as on paper, internationally distributed free of cost for the promotion of bi-lingual poetry, fiction, informative multi purpose interesting articles etc in Urdu alphabet in the UK and Europe under the sole ownership of its Chief Editor Abdul Razzaq Khan of the address as stated elsewhere within this magazine for delivery of documents.

The magazine and the contents herein DO NOT relate to a political, religious or a social group whatsoever. The Editor does not necessarily agree with the opinions expressed by the article writers, poets etc..

Although the e-magazine is FREE OF COST to all, yet for ON PAPER copies of the magazine we do expect a reasonable amount of donation to cover the costs of printing, postage and packing for all countries as stated) Chief Editor.

فہرست مضامین

آہ!راحت اندوری صاحب (اداریہ)	راناعبدالرزاق خان	4
راحت اندوری صاحب کی یاد میں	عبدالکریم قدسی،مشتاق دربھنگوی	4
غزلیات: کلام عاصی صحرائی		4
غزلیات: فیض احمد فیض، مبارک عابد، اعظم نوید، حافظ اسد اللہ وحید ، پارس مزاری،طفیل عامر،فرزانہ فرحت ،تمثیلہ لطیف، عاصی صحرائی، احمد فراز، پنڈت ہری چند اختر، حبیب جالب، منظر بھوپالی،ڈاکٹر طارق انور باجوہ، ناصر کاظمی،عالیہ جبیں عالی،گلشن بیابانی،ڈاکٹر عامر خاں،قیصر شیراز،ساجد محمود رانا،رفیع رضا،مبشر علی زیدی، محمد فرقان فیضی،لیاقت جعفری، مدثر شجاعت، امین شیرانی،منزہ سحر، ماجد عدیم،سیف علی سیف،ثروت رضوی، جمشید مسرور،ساجد محمود رانا،ایس ایم تقی حسین،انیس ندیم، منظر بھوپالی،غوثیہ نوری،امجد مرزا امجد،فریدہ انجم،صائمہ کامران،راحت اندوری،عبد الجلیل عباد،عبیداللہ علیم،احکم غازی پوری،حسیب احمد ظفر۔		5 تا 17
سچے موتی	آفتاب شاہ	18
پانچ کتابوں کا مصنف موچی	منور شکیل	20
قندیل ادب کے زیر اہتمام آن لائن مشاعروں کی روئیداد	عبدالحمید حمیدی	23
سردرُتوں کے کاریگر	مبشرہ ناز	24
سعودی عرب کا شہر مکہ کا تعارف	رجل خوشاب	25
بچوں کو مشکلات میں نہ ڈالئے	عاصی صحرائی	26
ضمیر کا بوجھ۔	عاصی صحرائی	26
سی سی ٹی وی کیمرے اور انٹیلی جنس ادارے	عاصی صحرائی	26
رب کی طرف لوٹو	شہزادہ مبشر	26
لفظوں کی مصورہ	شفیق مراد جرمنی	29
چپ	تمثیلہ لطیف	31
پرکھ	رجل خوشاب	32
دس لفظ دس باتیں	عامر سہیل	34
اردو زبان کا رونا	آفتاب شاہ	35
تعارف شعرائے عالمی مشاعرہ قندیل شعروسخن	ادارہ	36
شاعرہ ڈاکٹر نجمہ شاہین کھوسہ کی تصنیف ثانی پر اظہار خیال مع ہدیہ تبریک	منور احمد کنڈے	40
ابدی زندگی	امجد مرزا امجد	41
قاضی عبدالقدوس	ولور ہمپٹن	42

***

اداریہ

آہ! راحت اندوری صاحب رُخصت ملک عدم ہوئے

شاعری کا ایک مردِ آہن، ادب کا کوہِ بلند، بے باک اور نڈر شاعر اس دنیائے فانی کو چھوڑ گئے۔خدا غریق رحمت کرے۔مرحوم عجب آزاد مرد تھا۔ بھارت کا حبیب جالب اور حکومت کا نقاد تھا۔ بشری کمزوریاں ہر انسان میں ہوتی ہیں۔مگر راحت اندوری شعروادب کی ایک چٹان تھے۔سچی بات کہنا اور دیدہ دلیری سے کہنا ان کی عادت ثانیہ تھی۔مشاعروں کی جان اور شاعری کا آسمان تھے۔ان کی آمد کا سن کر لوگ مشاعروں کی طرف کھنچے چلے آتے تھے۔لوگ گھنٹوں ان کے اشعار سننے کے منتظر رہتے تھے راحت اندوری کی شاعری ایک کھلی کتاب کی مانند ہے۔آپ نے اپنی شاعری میں ہر موضوع کو چھیڑا ہے۔اورعوام کے دلوں کی بات کی ہے۔خصوصی طور پر غریب اور محروم انسان کو موضوع سخن بنایا ہے۔راحت اندوری نے ہمیشہ محروم طبقات کی نبض پر ہاتھ رکھا ہے اور ان کی نمائندگی کی ہے۔آپ غریب اور مسکین طبقے کے شاعر تھے۔اور خود بھی ایک اوسط درجے کے طبقے سے ہی تعلق رکھتے تھے۔ان کی رحلت کی خبر ساری دنیا میں بہت ہی رنج وغم سے سنی گئی۔بہت سی اخباروں نے اداریے لکھے اور اس بطل جلیل کوخراج تحسین پیش کیا۔ادارہ قندیل ادب بھی اس عظیم شاعر و ادیب کی رحلت پر افسردہ ہے اور اس کی بخشش کیلئے دُعا گو ہے۔اللہ تعالیٰ مرحوم کے درجات بلند کرے۔آمین۔

(راناعبدالرزاق خان)

راحت اندوری صاحب کی یادمیں

عبدالکریم قدسی (امریکہ)

کب وہ اترے گا پھر لب و لہجہ
شاعری کی بڑھے گی قیمت پھر
کون تاریکیوں کو دے گا شکست
کب جلے گا ''چراغِ راحت پھر''

2020

وہ ''کرونا'' نے کیا ہے راحت اندوری کے ساتھ

بارشوں میں جو ہو صاحب ٹاٹ کی بوری کے ساتھ
وہ ''کرونا'' نے کیا ہے راحت اندوری کے ساتھ
عمر جن کی بھی کٹی بے چینیوں کے شور میں
سوتے جاتے ہیں سکوں سے موت کی لورڑ کے ساتھ
زندگی بھر کی نہ اندھیرے کی سرداری قبول
روشنی کی جنگ جیتی دل کی کمزوری کے ساتھ
سچ کہا جو بھی کہا سچ کے سوا کچھ نہ کہا
اس کا یہ وعدہ تھا، شہرِ عشق کی گوری کے ساتھ
وہ تیرا جوشِ تکلم، وہ تیرا حسنِ بیاں
کون سب کو باندھ لے گا،سانس کی ڈوری کے ساتھ
اس کا میرے ساتھ قدسی ایک دلی رشتہ تھا وہ
جو میرے دل کا ہے ناطہ ''کرتو پنڈوری'' (ا) کے ساتھ

(ا) شاعر کے آبائی گاؤں کا نام۔جنم بھومی

(مشتاق دربھنگوی)

لہجے میں احتجاج تھا ہر ظلم کے خلاف
انسانیت کا درد تھا سینے میں جاں گزیں
راحتؔ کے حق میں کیجئے مشتاق یہ دُعا
بخشش خطا کی اُن کی کرے ربّ العالمین

جناب راحت اندوری کوخراج تحسین

راحت تو نام تھا ہی پہ غم دے گیا ہمیں
اک شخص جاتے جاتے الم دے گیا ہمیں
اب اس کی یادگار بنیں گے سخنوراں
ایسا سخنوری کا قلم دے گیا ہمیں
(توقیر سید)

کلام عاصی صحرائی

ابرِ کرم کی آنکھ سے دیکھا ہے چاند نے
ساگر سبھی تیار ہیں دریا کو باندھنے
غم کی گھڑی مسرتوں کی داستاں بنی
پکڑا ہے یوں مَمات کو لمحاتِ شاد نے
بوسیدہ دل میں دیکھئے اُلفت ہے بھر گئی
جیسے شجر اُگا دیئے دھرتی میں کھاد نے
نیچی نظر نہ رکھ سکا معبد کا شیخ بھی
بہکا دیا ہے پاپ کے جھوٹے سواد نے
مرنے کے میں قریب تھا اُس شہرِ عشق میں
مجھ کو تو زندہ کر دیا شعروں کی داد نے
بوڑھے بھی ہم نے دیکھے ہیں بچے بنے ہوئے
بچہ مجھے بنا دیا امی کی یاد نے
صحرا کی وسعتوں سے ہے عاصیؔ کی یہ صدا
گُم کردیئے ہیں راستے طوفانِ باد نے

عاصی صحرائی

مِرے محبوب! خوابوں کی مرے تعبیر اچھی ہے
تری سوچوں میں قصرِ نور کی تعمیر اچھی ہے
قدم رُک کر بھی منزل کی طرف ہمت بڑھاتے ہیں
تیری زلفوں کی پیروں میں پڑی زنجیر اچھی ہے
عجب بیمار ہے دُنیا کسی ناگن کی شیدائی
اُسے کہتی ہے زہریلی مگر اکسیر اچھی ہے
وحشت ناک رنگوں سے جو اُبھری تھی حقیقت میں
وہی دیوارِ سیمیں پر لگی تصویر اچھی ہے

ستم سہنے کی وہ تلقین کرتے ہیں زمانے کو
صحیفوں کے حوالوں سے بنی تقریر اچھی ہے
نگاہوں سے جو چلتی ہے تو قتلِ عام کرتی ہے
مگر عادِل کا ہے کہنا کہ یہ شمشیر اچھی ہے
نبیؐ کے نام پر تُو نے ستم سہہ لے اگر ہنس کر
سمجھ لو سارے عالَم سے تیری تقدیر اچھی ہے
گھائل ہو کے دھارے نور کے نکلے ہیں سینے سے
کریں تصدیق یہ، دُشمن کی نوکِ تیر اچھی ہے
مِرے قرطاسِ دل پر لکھ دیا ہے اہلِ دانش نے
جو لفظوں کی ملی عاصیؔ کو وہ جاگیر اچھی ہے

عاصی صحرائی

ٹوٹے ہیں آسمان کے تارے، سلامتی !
نہ گر سکے، زمین سے ہارے، سلامتی !
ہر شیخ کے قلم پہ ہیں تکفیر کے حروف
اِبلیس کو یہ جان سے پیارے، سلامتی !
زرداریوں کی کھیتیاں سرسبز چار سُو
دہقاں مگر ہیں بھوک کے مارے، سلامتی !
یہ بے بسی کا دور 'کورونا' کے ہے سبب
نیچے رہیں اے رب، مِرے پارے، سلامتی !
یہ نوح کا طوفان ہے، خونِ جگر نہیں
دل پر گناہ کے بوجھ ہیں بھارے، سلامتی !
ہے کون ابراہیم یاں ؟ نمرود ہیں سبھی
شیطاں کی سب ہیں آنکھ کے تارے، سلامتی !
شبنم نہیں یہ پھول پہ، عاصیؔ کے باغ میں
بلبل کی چشمِ نم کے ہیں دھارے، سلامتی !

حمدِ باری تعالیٰ ۔ عاصی صحرائی

دم دم کروں میں حمدیں تیری، تُو نے دیئے ہیں لب
کیسے شکر ادا ہو تیرا مخلوقات کے رَب
خاک بھی تیری، بیج بھی تیرے، سارے پھل بھی تیرے
بِن تیرے اِن سب کھیتوں کا، کون ہے اور سبب !
سانس بھی حمد ہے کرتی تیری، خون میں حمد رواں
جسم کا میرے روم روم بھی بھولا تجھ کو کب !
آنکھوں میں ہے نیند بھی تیری، تیرے حکم سے جاگوں
اُجلی اُجلی صبحتیں تیری، تیری ہی ہر شب
خطا سے اپنی ہو جاتا ہے جب بندہ مغموم
دل میں اُس کے میرے مولیٰ تُو ہی بھرے طَرَب
اِنسانوں کی سنے دعائیں ہر سنّت ہے اعلیٰ
اِذن سے تیرے انسانوں کے بدلے دیکھے ڈھب
شکر ہے تیرا نام عاصیؔ کا رکھا تُو نے اونچا
تیرے رحم کرم سے اللہ میرا نام و نَسَب

عاصی صحرائی

آپ بھی گر دل سے ہم کو پیار کرنا چھوڑ دیں
ہم گریبانوں کو اپنے تار کرنا چھوڑ دیں
آپ کے رُخسار پر ہے آفتابی اک تپش
قربتوں سے اب ہمیں بیمار کرنا چھوڑ دیں
لُٹ رہے ہیں آپ کے ہاتھوں سے لعلِ بے بہا
آپ نہ اِس دہر کو زردار کرنا چھوڑ دیں
سوچ کے زندان سے نکلی حسینہ وقت کی
غیر ممکن ہے کہ ہم دیدار کرنا چھوڑ دیں
چھوڑ دیں گے آپ کا ہم نام لینا شعر میں
آپ ہم سے عشق میں تکرار کرنا چھوڑ دیں
بن کے روئی اُڑ گئے ہیں عشق کے کوہِ گراں
آپ بھی عشاق کو سنگسار کرنا چھوڑ دیں
ہم نہ لیں گے چارہ گر کا نام بھی عاصیؔ کبھی
آپ گر اپنی نظر سے وار کرنا چھوڑ دیں

عاصی صحرائی

بند در سب کر دیئے تو آ نہیں سکتی ہوا
ہوں زباں پر قُفل تو پھر کس کی آئے گی صدا
دل کا ویرانہ ہوا ہے اِس طرح معجز نُما
نین کی پُتلی سے برسی ہجر کی کالی گھٹا
دل کے صحرا میں ہے اُترا قافلہ اک یاد کا
ڈھول ہے چاروں طرف آتی نہیں بانگِ درا
بھر گیا کیچڑ شہر میں بارشوں کی فصل میں
دم بخود حشرات و انسان، نہ کوئی آوازِ پا
چاند اُترا ہے زمیں پر جانچنے کو حالِ خاک
نہ کرن کو راس آئی اِس زمانے کی ادا
باغ میں برگ و ثمر نہ ہوں تو ملتا ہے سبق
پھینک کر سر کا دوپٹہ پھر کہاں شرم و حیا
آ گئی فصلِ بہاری اب نہ جائے لُوٹ کر
بلبلوں کے واسطے عاصیؔ کے دل کی ہے دعا

نعت ۔ عاصی صحرائی

نامِ احمدؐ کی ہے پھیلی تازگی ہی چار سُو
ذکر ہو سرکارؐ کا اور گُل پہ آئے رنگ و بُو
کیا عجب جادو دو عالم میں ہے پھیلے چار سُو
جب بدل دے سیرتِ احمدؐ گنہگاروں کی خُو
نُور میں اُجلے نبیؐ پیارے نہیں اُنؐ سا کوئی
سب ملائک کر رہے ہیں اک جھلک کی آرزو
عالمیں میں ہیں بہت رب نے بنائے شاہکار
ہیں مراتب میں نبیؐ میرے بلند و خوبرُو
اُنؐ کی ہے معراج ساتوں آسمانوں تک بلند
نہ ہوا، ہوگا کبھی صفّات میں، نہ ہُوبہُو
میری نسلوں کا مقدر جاگ جائے یا نبیؐ
اک جھلک میں خواب میں ہی دیکھ لوں گر رُوبرُو
سب ہی جینے کے ہُنر سیکھے بشر نے آپ سے
مِل رہے ہیں رحمتوں کے سب کو ہی جام و سبُو
جس کے ہاتھوں میں محمدؐ کا علَم، اُس کو یقیں
خاکِ پا سے اُنؐ کی کمتر دہر کے سارے گُورُو
وار دوں عاصیؔ میں جاں بھی کوچہءِ محبوبؐ پر
اے مِری قسمت، اُسی ہی خاک سے جاگی ہے تُو

عاصی صحرائی

شیشے پڑے ہوئے ہیں پتھر کی سوچ میں

پتھر ہے کوہسار کی اندر کی سوچ میں
چلتی ہوئی ہیں کشتیاں منزل کی راہ پر
ساحِل بھی ہیں خموش سمندر کی سوچ میں
موسم نظر ہیں آ رہے چہروں کے ساتھ ساتھ
ہر آئینہ شفاف ہے منظر کی سوچ میں
سوچوں میں دہلی، اور ہے اسلام آباد ایک
ڈوبی ہیں دونوں طاقتیں لشکر کی سوچ میں
ایک سا ہی رنگ ہے ہر اک کے خون کا
رہتا ہے سرخ رنگ ہی خنجر کی سوچ میں
اپنے ایمان کی نہیں ہے سوچتا کوئی
اعمال دوسروں کے ہیں اکثر کی سوچ میں
اُٹھ کر اذان کہنی ہے عاصیؔ نے صبح دم
پڑھ کر درود آ گیا بستر کی سوچ میں

نعت عاصی صحرائی

اللہ کے محبوب پر
صاحبِ اُسلوب پر
سب کی قرباں جان ہے
سب کی قرآں جان ہے
رفعتوں سے سرفراز
رب کے ہیں وہ جان باز
اُنؐ پہ واری لوگ سب
ہو گیا خوش اُنؐ پہ رب
حاصلِ عظمت وہی
دل کی ہیں راحت وہی
اُنؐ پہ درود لاکھ بار
بعد از خدا وہ شان دار
پاک قرآں لائے ہیں
لعل ہم نے پائے ہیں
وہ بشر ہیں اک رسولؐ
اُنؐ کے ہیں پختہ اصول
بانیٔ اسلام تھے
انؐ کے اونچے کام تھے
اعلیٰ افضل ذات ہے
اُجلی ہر اک رات ہے
آخری ہیں وہ نبیؐ
ہے شریعت آخری
جینا وہ سکھلا گئے
راستے دکھلا گئے
انؐ کو سلام سب کریں
انؐ پر درود سب پڑھیں
محشر میں ہیں شافع حضورؐ
اُنؐ کا آنکھوں میں سرور
وہ محمد مصطفیٰؐ
دے گئے سب کو دعا
رب کے وہ محبوب ہیں
واحد اور وہ خوب ہیں
میں ہوں عاصیؔ خاکسار
میرے آقا نامدار ﷺ

عاصی صحرائی

اُڑتے وقت کو تسخیر کرنا
مکانِ فکر کو تعمیر کرنا
ترے افکار میں گر زندگی ہے
اِسی عنوان پہ تقریر کرنا
دیتے ہو دہر کو زہرِ قاتل
مجھے ہے زہر کو اکسیر کرنا
ترے ہی خواب ہیں میری شبوں میں
اُنہیں سورج نے ہے تعبیر کرنا
وفاؤں کو کبھی نہ چھوڑ پاؤں
مجھے اب عشق کو زنجیر کرنا
جہادِ وقت کا ہے یہ تقاضہ
قلم کی نوک کو شمشیر کرنا
نہ برکھا نور کی گر شعر میں ہو
تو پھر نعتِ نبیؐ تحریر کرنا
میرے عیبوں پہ لکھا ہے مقالہ
اُسے اب ہے یہی تشہیر کرنا
مجھے عاصیؔ بھی کہتا ہے مصور
مجھے اُس کو بھی ہے تصویر کرنا

عاصی صحرائی

لکھ کے سب اوراق نیچے حاشیہ لکھتا ہوں میں
اپنے ہر مکتوب میں دل سے دعا لکھتا ہوں میں
میں نہیں تاریخ داں لیکن خبر رکھتا ہوں سب
یاد کی آنکھوں میں پنہاں سانحہ لکھتا ہوں میں
منزلوں کی راہ کو نہ میں کہوں منزل ہے یہ
پاؤں جس پر ہیں مرے وہ راستہ لکھتا ہوں میں
ہجر میں جو ہاتھ آئیں لذتیں میری ہوئیں
عشق کے صفحات پر اک التجا لکھتا ہوں میں
دائیں بائیں کوہِ اَسود، بیچ میں چلتا ہوں میں
قربتیں ہیں دور کتنی، فاصلہ لکھتا ہوں میں
ہیں مِری تحریر میں شامل صحیفوں کے حروف
کون کہتا ہے حقیقت کے سِوا لکھتا ہوں میں
آج کے تاریخ داں نے کان میں مجھ سے کہا
پتھروں کو عاصیؔ صاحب آئینہ لکھتا ہوں میں

عاصی صحرائی

سہما سہما وطن ہے میرا مٹی بھی حیران
سارے شعبے راشی اس کے، پُرشوکت پردھان
دہشت گردوں کے ہیں حامی حوروں کے دِلدادہ
کوئی نہ جانا، کوئی نہ سمجھا اللہ کا فرمان
نہیں ضرورت بنیادوں کی، نہ ہی ریت سیمنٹ
پانی سے تعمیر ہے کرنا تاج سا ایک مکان
کانپ گیا میں بھول کے سب کچھ دیکھ کے ایک گواہ
جھوٹا حلف اُٹھایا اُس نے ہاتھ میں تھا قرآن
کیس عدالت میں جب دوست ہوئے سب دشمن
تھانیدار کے دل نے میرے حق میں دیا بیان
مجھے یقین ہے بن جائے گا اک دن لکھتے لکھتے
اُجلے اُجلے لفظوں والا میرا بھی دیوان
خود کو زخمی کرنا ہے تو اسی لئے اے عاصیؔ
بے رحمی کے سانچے میں سب ڈھالیں تیر کمان

غزلیات

فیض احمد فیض

سبھی کچھ ہے تیرا دیا ہوا، سبھی راحتیں سبھی کلفتیں
کبھی صحبتیں، کبھی فرقتیں، کبھی دوریاں کبھی قربتیں
یہ سخن جو ہم نے رقم کئے یہ ہیں ورق سب تیری یاد کے
کوئی لمحہ صبحِ وصال کا، کوئی شامِ ہجر کی مدتیں
جو تمھاری مان لیں ناصحا! تو رہے گا دامنِ دل میں کیا
نہ کسی عدو کی عداوتیں، نہ کسی صنم کی مروتیں
چلو آؤ تم کو دکھائیں ہم جو بچا ہے مقتلِ شہر میں
یہ مزار اہلِ صفا کے ہیں، یہ ہیں اہلِ صدق کی تربتیں
میری جان آج کا غم نہ کر، کہ نہ جانے کاتبِ وقت نے
کسی اپنے کل میں بھی بھول کر کہیں لکھ رکھی ہوں مسرتیں

مبارک عابد

وہ زینتِ گلگشت ہوا جلوہ فگن پھر
پھر فصلِ بہار آئی ہے مہکا ہے چمن پھر
پھر چھیڑے عنادل نے طرب خیز ترانے
خوشیوں بھرے نغمات سے مہکا ہے چمن پھر
اس ماہِ جہانتاب کے ہوں چاہنے والے
ممکن ہی نہیں جھپکیں پلک دیکھ کے اس کو
ہم ان کی تب و تاب سے آنکھیں کریں روشن
اس ماہ کے جلوے رہیں تابندہ خدایا
دل اس کا ہے انوارِ بصیرت کا خزینہ
ہم پر انہی انوار کے از حد ہیں عطایا
خوشیوں بھرے نغمات سے مہکا ہے چمن پھر

اعظم نوید

اس کے نینوں میں رتجگے دیکھوں
زندگی تیرے حاشیے دیکھوں
ہائے یہ کس طرح کی ہے دنیا
پاس اندھوں کے آئینے دیکھوں
ہر طرف قحط ہے وفاؤں کا
پیار کے پھر بھی زمزمے دیکھوں
اک عجب وقت ہے زمانے میں
ہر طرف روز حادثے دیکھوں
چین پڑتا نہیں کسی لمحے
آگہی تیرے فلسفے دیکھوں
تیرگی پھر بھی بڑھتی جاتی ہے
روشنی کے بہت دیئے دیکھوں
ہر کوئی اپنے مَن کا ہے رسیا
زندگی تیرے زائچے دیکھوں
خُوں ہوا ہے سفید انساں کا
مِٹ گئے دل سے رابطے دیکھوں
نفسا نفسی کا ہے عجب عالم
درد کے سارے راستے دیکھوں
ناز کرتی تھی جس پہ اک دنیا
اس محبت کے خوانچے دیکھوں
ہو گئی گنگ اب زباں اعظم
صبر کے چُھپ کے حوصلے دیکھوں

اب تو ہر ہاتھ کا پتھر ہمیں پہچانتا ہے
عمر گزری ہے ترے شہر میں آتے جاتے
راحت اندوری

حافظ اسداللہ وحید
سیرالیون

آبلہ دیر سے رکھا ہے سجا کر میں نے
آخری سانس کو رکھا ہے بچا کر میں نے
راکھ کا ڈھیر سہی دیکھ دھواں اٹھتا ہے
جان کو دیر سے رکھا ہے جلا کر میں نے
یوں کسی بات پہ واویلا مچائے کیونکر
نفس کو ہاتھ میں رکھا ہے سدھا کر میں نے
پانیوں کی یہ روانی بھی مجھے ڈستی ہے
کشتیوں کو بھی تو رکھا ہے جلا کر میں نے
آنکھ بہتی ہے تو سیلاب بپھر جاتا ہے
ایک طوفان جو رکھا ہے مچا کر میں نے
دوش میرا ہے سزا بھی مجھے دینا یارو
راز کو راز بھی رکھا ہے بتا کر میں نے

پارس مزاری

کیا اذیت ہے مرد ہونے کی
کوئی بھی جا نہیں ہے رونے کی
دائرہ قید کی علامت ہے
چاہے انگوٹھی پہنو سونے کی
سانس پھونکی گئی بڑا احسان
چابی بھر دی گئی کھلونے کی
ایسی سردی میں شرط چادر ہے
اوڑھنے کی ہو یا بچھونے کی
بوجھ جیسا تھا جتنا تھا مجھے کیا
مجھے اجرت ملی ہے ڈھونے کی

میں جزیرے ڈبونے والا ہوں
خو نہیں کشتیاں ڈبونے کی

طفیل عامر

جب تلک اس شوخ کو دیکھا نہ تھا
دل کے لٹنے کا مجھے کھٹکا نہ تھا
بارشیں رنگوں کی تھیں لیکن کبھی
پھول تجھ سا، ذہن میں مہکا نہ تھا
جب بھی دستک دل کے دروازے پہ دی
اک سوا تیرے کوئی رہتا نہ تھا
دسترس میں جام ہر اک کے نہ تھا
کون تھا دنیا میں جو پیاسا نہ تھا
اک ترے آنے سے پہلے شہر میں
بے وفائی کا کہیں چرچا نہ تھا
وہ بھی چھپ چھپ کر نہ تھا رویا کبھی
لمحہ لمحہ میں بھی تو مرتا نہ تھا
نفع و نقصان نہ کوئی سوچتا
موت سے عاشق کبھی ڈرتا نہ تھا
یہ تو باتیں بعد کی ہیں میرے دوست
دل نے اس کو دیکھا جب، ایسا نہ تھا

فرزانہ فرحت لندن

میں اک حسین خواب کے منظر میں قید ہوں
یعنی جمالِ نور کی چادر میں قید ہوں
میری شبِ سیاہ میں کیا کیا ہے میرے ساتھ
سو چوں کے اور سوال کے لشکر میں قید ہوں
وہ ماہ و سال آج گو مجھ سے بچھڑ گئے
ماضی کے ایک ایک میں منظر میں قید ہوں
کہنے کو روشنی کے مناظر ہیں چار سو
اور میں کہ وحشتوں کے کسی ڈر میں قید ہوں
تنہائیاں بسیں مرے دل کے مکان میں
میں مدتوں سے اپنے اسی گھر میں قید ہوں
فرحت یہ کیسی ہے مری رنگین زندگی
میں تو اداسیوں کے سمندر میں قید ہوں

تمثیلہ لطیف

دل کو کہاں قرار ذرا دن میں رات میں
ایسی کوئی لکیر نہیں میرے ہات میں
مثلِ شرار مجھ پہ تو برسا ہے کس لیے؟
تلخی تھی اس قدر بھی کہاں میری بات میں
ابرِ کرم ادھر بھی کبھی ٹوٹ کر برس
صحرا کی تشنگی ہے مرے کُنجِ ذات میں
جاؤں میں جس طرف بھی رہ زندگی کے بیچ
بیٹھے ہوئے ہیں میرے عدو میری گھات میں
دامن میں آنسوؤں کے سوا کچھ نہیں رہا
الجھی ہے جب سے آنکھ میری کائنات میں
دل کو کہیں قرار نہ تمثیلہ مل سکا
جاگا ہے ایسا کرب کوئی میری ذات میں

عاصی صحرائی

مت پوچھ کہ نپٹے ہیں کس کس الزام سے
محبت سی ہو گئی ہے اب تیرے نام سے
لگتا تھا نکلا ہے چودھویں کا چاند
جب تیری جھلک دیکھی تھی بام سے
تیری صورت کو دیکھنے کے لئے
بے تاب منتظر ہوں آج شام سے
حسن تیرا مرعوب کرے ہے ایسے
جیسے مہ جھلک رہی ہو جام سے
بہک نہ جانا روئے جمال پر
عاصؔی کام رکھ تو اپنے کام سے

احمد فراز

مجھے خط ملا ہے غنیم کا
بڑی عُجلتوں میں، لکھا ہُوا
کہیں، رنجشوں کی کہانیاں
کہیں دھمکیوں کا ہے سلسلہ
مجھے کہہ دیا ہے امیر نے
کرو،،،، حُسنِ یار کا تذکرہ
تمہیں کیا پڑی ہے کہ رات دن
کہو،، حاکموں کو بُرا بھلا
تمہیں،،، فکرِ عمرِ عزیز ہے
تو نہ حاکموں کو خفا کرو
جو امیرِ شہر کہے تُمہیں
وہی شاعری میں کہا کرو
کوئی واردات کہ دن کی ہو
کوئی سانحہ کسی رات ہو
نہ امیرِ شہر کا زکر ہو
نہ غنیمِ وقت کی بات ہو
کہیں تار تار ہوں،، عصمتیں
میرے دوستوں کو نہ دوش دو
جو کہیں ہو ڈاکہ زنی اگر
تو نہ کوتوال کا، نام لو
کسی تاک میں ہیں لگے ہُوئے
میرے جاں نثار،، گلی گلی
ہیں میرے اشارے کے مُنتظر
میرے عسکری میرے لشکری
جو تُمہارے جیسے جوان تھے

کبھی،، میرے آگے رُکے نہیں
انہیں اس جہاں سے اُٹھا دیا
وہ جو میرے آگے جُھکے نہیں
جنہیں،، مال و جان عزیز تھے
وہ تو میرے ڈر سے پگھل گئے
جو تمہاری طرح اُٹھے بھی تو
اُنہیں بم کے شعلے نگل گئے
میرے جاں نثاروں کو حُکم ہے
کہ،، گلی گلی یہ پیام دیں
جو امیرِ شہر کا حُکم ہے
بِنا اعتراض،، وہ مان لیں
جو میرے مفاد کے حق میں ہیں
وہی،، عدلیہ میں رہا کریں
مجھے جو بھی دل سے قبول ہوں
سبھی فیصلے،، وہ ہُوا کریں
جنہیں مجھ کچھ نہیں واسطہ
انہیں،، اپنے حال پہ چھوڑ دو
وہ جو سرکشی کے ہوں مرتکب
انہیں، گردنوں سے مروڑ دو
وہ جو بے ضمیر ہیں شہر میں
اُنہیں، زر کا سکہ اُچھال دو
جنہیں، اپنے درش عزیز ہوں
اُنہیں کال کوٹھڑی میں ڈال دو
جو میرا خطیب کہے تمہیں
وہی اصل ہے، اسے مان لو
جو میرا امام، بیاں کرے
وہی دین ہے، سبھی جان لو
جو غریب ہیں میرے شہر میں
انہیں بُھوک پیاس کی مار دو
کوئی اپنا حق جو طلب کرے
تو اسے،، زمین میں اتار دو
جو میرے حبیب و رفیق ہیں
انہیں، خُوب مال و منال دو
جو، میرے خلاف ہیں بولتے
انہیں، نوکری سینکال دو
جو ہیں بے خطاء وہی در بدر
یہ عجیب طرزِ نصاب ہے
جو گُناہ کریں وہی معتبر
یہ عجیب روزِ حساب ہے
یہ عجیب رُت ہے بہار کی
کہ،، ہر ایک زیرِ عتاب ہے
" کہیں پر شکستہ ہے فاختہ
کہیں،،، زخم زخم گلاب ہے"
میرے دشمنوں کو، جواب ہے
نہیں غاصبوں پہ شفیق میں
میرے حاکموں کو خبر کرو
نہیں،، آمروں کا رفیق میں
مجھے زندگی کی ہوس نہیں
مجھے،، خوفِ مرگ نہیں ذرا
میرا حرف حرف لہو لہو
میرا،،، لفظ لفظ ہے آبلہ

پنڈت ہری چند اختر

کلیوں کا تبسّم ہو، کہ تم ہو، کہ صَبا ہو
اِس رات کے سناٹے میں، کوئی تو صدا ہو
یوں جسم مہکتا ہے، ہوائے گلِ تر سے
جیسے کوئی پہلو سے، ابھی اُٹھ کے گیا ہو
دنیا ہمہ تن گوش ہے، آہستہ سے بولو
کچھ اور قریب آؤ، کوئی سن نہ رہا ہو
یہ رنگ، یہ انداز نوازش تو وہی ہے
شاید کہ کہیں پہلے بھی، تُو مجھ سے مِلا ہو
یوں رات کو ہوتا ہے گماں، دِل کی صدا پر
جیسے کوئی دیوار سے، سر پھوڑ رہا ہو
دنیا کو خبر کیا ہے، میرے ذوقِ نظر کی
تم میرے لیے رنگ ہو، خوشبو ہو، ضیا ہو
یوں تیری نگاہوں میں، اثر ڈھونڈ رہا ہوں
جیسے کہ تجھے، دِل کے دھڑکنے کا پتہ ہو
اِس درجہ محبت میں، تغافل نہیں اچھا
ہم جو کبھی تم سے، گریزاں ہوں تو کیا ہو؟
ہم خاک کے ذروں میں ہیں اخترؔ بھی گہر بھی
تم بامِ فلک سے، کبھی اُترو تو پتہ ہو

حبیب جالب

اُٹھا رہا ہے جو فتنے مری زمینوں میں
وہ سانپ ہم نے ہی پالا ہے آستینوں میں
کہیں سے زہر کا تریاق ڈھونڈنا ہوگا
جو پھیلتا ہی چلا جا رہا ہے، سینوں میں
کسی کو فکر نہیں قوم کے مسائل کی
ریا کی جنگ ہے بس حاشیہ نشینوں میں
قصور وار سمجھتا نہیں کوئی خود کو
چھڑی ہوئی ہے لڑائی منافقینوں میں
یہ لوگ اس کو ہی جمہوریت سمجھتے ہیں
کہ اقتدار رہے اُن کے جانشینوں میں
یہی تو وقت ہے آگے بڑھو خدا کے لیے
کھڑے رہو گے کہاں تک تماش بینوں میں

منظر بھوپالی

بے عمل کو دنیا میں راحتیں نہیں ملتیں
دوستو دُعاؤں سے جنتیں نہیں ملتیں

اس نئے زمانے کے آدمی ادھورے ہیں
صورتیں تو ملتی ہیں سیرتیں نہیں ملتیں
اپنے بل پہ لڑتی ہے اپنی جنگ ہر پیڑھی
نام سے بزرگوں کے عظمتیں نہیں ملتیں
جو پرندے آندھی کا سامنا نہیں کرتے
ان کو آسمانوں کی رفعتیں نہیں ملتیں
اس چمن میں گُل بوٹے خون سے نہاتے ہیں
سب کو ہی گلابوں کی قسمتیں نہیں ملتیں
شہرتوں پہ اِترا کر خود کو جو خدا سمجھے
منظرؔ ایسے لوگوں کی تربتیں نہیں ملتیں

ڈاکٹر طارق انور باجوہ

افسوس مجھ کو اُس نے اتارا ہے گور میں
جس کے لئے فلک سے اُتاری گئی ہوں میں
دردِ دل کے واسطے، محبوب ہونا چاہیئے
حالِ دل قرطاس پر مکتوب ہونا چاہیئے
جاتے جاتے اس نے ڈالی جو نگہ میری طرف
تیر کھا کر اب تو دل مضروب ہونا چاہیئے
عمر بھر ہم اس کو پانے کی سعی کرتے رہے
اس کو پانے کو مگر مجذوب ہونا چاہیئے
دُشمنوں نے یہ ہوائی بھی اُڑائی شہر میں
دل لگی کو بھی تو چہرہ خوب ہونا چاہیئے
ہاتھ آجاتی ہے منزل گر رہیں ثابت قدم
صبر کرنے کے لئے ایوّب ہونا چاہیئے
بات ہم دُنیا میں پھیلا کر ہی رہتے ہیں مگر
واقعہ دل کو ذرا مرغوب ہونا چاہیئے
ہم جُدائی کے تصوّر سے ہی گھبراتے رہے
دل کے ہاتھوں یوں نہیں مغلوب ہونا چاہیئے
دل درِ جاناں پہ رکھ کر ہم تو طارق آگئے
کوئی تو اُس شہر میں مندوب ہونا چاہیئے

ناصر کاظمی

دل میں اک لہر سی اٹھی ہے ابھی
کوئی تازہ ہوا چلی ہے ابھی
شور برپا ہے خانۂ دل میں
کوئی دیوار سی گری ہے ابھی
بھری دنیا میں جی نہیں لگتا
جانے کس چیز کی کمی ہے ابھی
تو شریکِ سخن نہیں ہے تو کیا
ہم سخن تیری خامشی ہے ابھی
یاد کے بے نشاں جزیروں سے
تیری آواز آ رہی ہے ابھی
شہر کی بے چراغ گلیوں میں
زندگی تجھ کو ڈھونڈتی ہے ابھی
سو گئے لوگ اس حویلی کے
ایک کھڑکی مگر کھلی ہے ابھی
تم تو یارو ابھی سے اٹھ بیٹھے
شہر کی رات جاگتی ہے ابھی
وقت اچھا بھی آئے گا ناصر
غم نہ کر زندگی پڑی ہے ابھی

عالیہ جبیں عالی اِسلام آباد

چراغ دِل کا جلائے رَکھنا آساں نہیں ہوتا
آنسوئں کو چُھپائے رَکھنا آساں نہیں ہوتا
ساتھ ہو محبّت کا تو سب ٹھیک ہے وَرنہ
گُھٹ گُھٹ کے جِئے جانا آساں نہیں ہوتا
پھولوں کے گھروں میں تو سبھی چاہیں گے رہنا
کانٹوں پہ بَسیرا کرنا آساں نہیں ہوتا
مُحبّت میں تو سبھی کرتے ہیں وعدے وفا کے
مگر وعدہ وَفا کا نبھانا آساں نہیں ہوتا
آسماں کو چُھونے کی کوشش تو سبھی کرتے ہیں
مگر آسماں تک پہنچنا آساں نہیں ہوتا
دِل کو توڑنا تو سَبھی کو ہی آتا ہے لیکن
ٹُوٹے ہُوئے دِل کو جوڑنا آساں نہیں ہوتا
اور دَرد زمانے کے سَبھی سہے جا سکتے ہیں لیکن
دَردِ مُحبّت کا ہو تو سَہنا آساں نہیں ہوتا

گلشن بیابانی

ایک گُل سے دوستی ہے آج کل
دوستوں میں بے کلی ہے آج کل
اس کو بھاتا ہی نہیں منظر حسین
آنکھ اسکی شبنمی ہے آج کل
نبض میری لگ رہی ہے ڈوبتی
اسکی آنکھوں میں نمی ہے آج کل
پاس سب کے سب ہے لیکن ''وہ'' نہیں
وقت کتنا قیمتی ہے آج کل
داغ چہرے کے نظر آتے نہیں
گرد شیشے پر جمی ہے آج کل
ساتھ سایا چھوڑ بیٹھا ہے مرا
میری خود سے دُشمنی ہے آج کل
کڑوا تھا جو نیم جیسا کل تلک
اسکے لَب پر چاشنی ہے آج کل
جا کے واپس وہ کبھی آتا نہیں
وقت جیسا آدمی ہے آج کل
انکی زلفوں کی گھٹا چھانے لگی
اور رُت بھی منچلی ہے آج کل
لو، غزل میری مکمّل ہوگا
آن لائن شاعری ہے آج کل
انکے آنے کی خبر گلشن، مِلی
مسکراتی ہر کلی ہے آج کل

ڈاکٹر عامر خاں

یاروں کو یار لوگ دکھاتے ہیں روز ہاتھ
ہاتھوں میں پھر بھی کیسے سماتے ہیں روز ہاتھ
غم ہائے روزگار ملاتے ہیں روز ہاتھ
ہم بے سبب ہی ان سے چھڑاتے ہیں روز ہاتھ
معلوم ہے کہ دنیا متاعِ غرور ہے
لوگ اس کی خواہشوں میں ہلاتے ہیں روز ہاتھ
ہاتھوں سے میرے دل تو نکلتا ہے روز ہی
اس کو تھپک تھپک کے سلاتے ہیں روز ہاتھ
خوبوں پہ آج کل جو اُٹھاتے ہیں اُنگلیاں
کتنے بڑے گناہ کماتے ہیں روز ہاتھ
میں بھول کے بھی ہاتھ لگاتا نہیں انہیں
پھر بھی مرا گلا ہی دباتے ہیں روز ہاتھ
دل کا قلم بناتا ہے اُلفت کے جو خطوط
عامؔر وہی حروف مٹاتے ہیں روز ہاتھ

قیصر شیراز

دور ہے مجھ سے وہ اتنا مرے گھر بار کے بیچ
فاصلہ بنتا ہے جتنا لب و رخسار کے بیچ
دل گرفتہ تو کوئے جان شکستہ نکلا
آ گیا اس کے جو خانۂ دربار کے بیچ
یہ سکوں میری طبیعت کے موافق ہی نہیں
کوئی نیزہ ہے نہ نشتر مری دستار کے بیچ
مجھ کو توفیق نہیں قد کے برابر کچھ دو
ورنہ خالی رہے دامن مرا اغیار کے بیچ
یہ رعایت تو مجھے کوئی بھی دے سکتا ہے
حوصلہ دے مجھے دینا ہے اگر آزار کے بیچ
روز یہ دیکھ کے شیراز اسے لگتا ہے
خواہش عمر ملی خواہشِ بھرمار کے بیچ

ساجد محمود رانا

پلٹ کے آئی صدا صبح نے سنی ہی نہیں
کچھ اس لیے بھی شبِ غم کبھی ڈھلی ہی نہیں
کہ جس کو کہہ کے بدن کو سکوں میسر ہو
ابھی تلک غزل ایسی کوئی کہی ہی نہیں
عجب نہیں تھا کہ جنت بناتے دنیا کو
مگر یہ رسمِ محبت کہ جو چلی ہی نہیں
تمام عمر مقدر میں اک سفر ہے لکھا
قیام واسطے کوئی مکاں گلی ہی نہیں
عداوتوں کی اذیت سہی زمانے میں
محبتوں کی تو کھڑکی کوئی کھلی ہی نہیں
عجیب شخص ہوں مدت کے بعد سمجھا ہوں
بہت بری ہے یہ دنیا فقط بری ہی نہیں
جگر جلایا ہے سگریٹ نے تیرے ساجد کا
یہ تیری یاد کسی طور بھی جلی ہی نہیں

رفیع رضا کنیڈا

تُو جس زمین پہ رکھ کے قدم کھڑا ہوا ہے
ہے آسماں میرے شانوں پہ جو دھرا ہوا ہے
سُنا رہا ہوں کہانی وہ کسی اور کی ہے
جو پڑھ رہا ہوں کسی اور کا لکھا ہوا ہے
جو میرے پاس ہے اُس میں سے کچھ نہیں میرا
جو بانٹتا ہوں اُسی کا ہی سب دیا ہوا ہے
میں جس نگر سے ہوں نکلا وہ ساتھ ہے میرے
وجود اُس کا ابھی تک اُدھر پڑا ہوا ہے
تمہیں کسی نے بھی دیکھا نہیں ہے ساتھ مرے
تو کیوں جبیں پہ پسینہ ہے رنگ اُڑا ہوا ہے
تو پڑھتے پڑھتے جہاں رُک گیا تھا اے قاری
کتاب ہستی کا صفحہ وہیں مڑا ہوا ہے
ہے آسمان میں مسجود زمیں پہ ساجد
رضا تو سجدے میں اُس سے مگر جُڑا ہوا ہے

مبشر علی زیدی

عقل کا استعمال حرام ہے
اور غور و فکر ممنوع
سائنس اُم الفتنہ ہے
اور آرٹ سراسر فحاشی
جمہوریت مکمل شرک ہے
اور رواداری قطعی کفر
امن کی خواہش دیوانگی ہے
اور خوشی کی تلاش جہالت
خاندانی منصوبہ بندی سازش ہے
اور پولیو ویکسین زہر
کرونا وائرس جھوٹ ہے
اور کرہ ارض ساکن

محمد فرقان فیضی نیپال

جو ہمیشہ اڑتے تھے کھل کے آسمانوں میں
وہ بھی آج بیٹھے ہیں اپنے ہی مکانوں میں
اس قدر کورونا کا خوف دل پہ طاری ہے
سہمے سہمے پنچھی ہیں اپنے آشیانوں میں
وائرس کی صورت میں جو کورونا آیا ہے
کھوج اس کی جاری ہے سب طبیب خانوں میں
اس طرح مقید ہیں اپنے ہی گھروں میں ہم
جیسے جرم کر کے ہوں قیدی قید خانوں میں
کیسے پرورش ہوگی اب غریب زادوں کی
تالے لگ چکے ہر اک شہر کی دکانوں میں

چودہ سو برس پہلے جو اثر اذاں میں تھا
وہ اثر نہیں باقی آج کی اذانوں میں
فیضی کوئی پوچھے گا تو یہی کہوں گا میں
سب سے پیاری اردو ہے دہر کی زبانوں میں

لیاقت جعفری

عجیب لوگ تھے وہ تتلیاں بناتے تھے
سمندروں کے لیے مچھلیاں بناتے تھے
مرے قبیلے میں تعلیم کا رواج نہ تھا
مرے بزرگ مگر تختیاں بناتے تھے
وہی بناتے تھے لوہے کو توڑ کر تالا
پھر اُس کے بعد وہی چابیاں بناتے تھے
فضول وقت میں وہ سارے شیشہ گر مل کر
سہاگنوں کے لیے چوڑیاں بناتے تھے
ہمارے گاؤں میں دو چار ہندو درزی تھے
نمازیوں کے لیے ٹوپیاں بناتے تھے

مدثر شجاعت

پیڑ کی شاخوں کو ہلانے میں لگے ہیں
جھولی میں کوئی پھول گرانے میں لگے ہیں
کچھ میں بھی تو جینے کے بہت حق میں نہیں ہوں
کچھ دکھ بھی مرا ہاتھ بٹانے میں لگے ہیں
اس پار کے لوگوں سے ہمیں بھی ہے عقیدت
ہم پھول نہیں اشک بہانے میں لگے ہیں
ہم کوچہ و بازار میں کاندھے پہ رکھے خواب
آواز پہ آواز لگانے میں لگے ہیں
دیوار کے اس پار کوئی بول رہا ہے
آواز کو تصویر بنانے میں لگے ہیں
بدلا ہی نہیں اپنا چلن...آج بھی ہم تو
اجداد کی رسموں کو نبھانے میں لگے ہیں

عاصی صحرائی

میں کیا کہوں ان سرداروں کو
دین کے ان ٹھیکیداروں کو
جاہل ووٹ انہی کو دیتا ہے
نامِ اسلام پر چماروں کو
یاں منصب انہی کو ملتا ہے
ایماں فروش اور غداروں کو
بھوکا مر رہا ہے ہر مومن
دولت حاصل ہے سب غداروں کو
آج منصب اسے ہی ملتا ہے
بندر بانٹ والے اداروں کو
جتنی لمبی داڑھی ہے اتنی لمبی گاڑی ہے
کب کے معمار ملت دفن ہوئے
ملک ملا ہے جبہ پوش خرکاروں کو
عاصؔی مومن تو فقر کا عادی ہے
یاں دولت راس آئی ہے زرداروں کو

امین شیرانی

آپ کے لیے چار اشعار
تُو بیوفا ہے مگر با وفا سمجھتے ہیں
تُو کیا ہے اور تجھے لوگ کیا سمجھتے ہیں
اٹھا کے ہاتھ وہ دیتے ہیں بد دعائیں ہمیں
ہم اہلِ ظرف کہ ان کو دعا سمجھتے ہیں
اب اتنا بھی نہ کہے کوئی نا سمجھ کے ہم
ادا سمجھتے ہیں یارو! انا سمجھتے ہیں
عجیب لوگ ہیں ایسے بھی شہرِ جاناں میں
کہ زہر کو بھی جو مورکھ! دوا سمجھتے ہیں

منزہ سحر

دور سب رنج اور ملال کروں
اِس جُدائی کو اب وِصال کروں
میں نے سوچا ہے تجھ کو جانِ غزل
اپنے شعروں میں بے مثال کروں
ہجر کی شدّتیں پگھل جائیں
تجھ کو جب بھی لکھوں کمال کروں
نام تیرا عزیز ہے مجھ کو
کیسے اُس کو میں پائمال کروں
عشق اندھا ہے اِس کی بینائی
جی میں آتا ہے میں بحال کروں

ماجد عدیم

اِخلاص کے رستوں پہ کوئی ڈر نہ ملے گا
ایمان سے بہتر کوئی گوہر نہ ملے گا
اللہ کی رسّی کو بہت زور سے پکڑو
اس دَر سے بڑا اورکوئی دَر نہ ملے گا
اس دور میں مظلوم کی آواز بنے کون
اب ایسا مقدر کا سکندر نہ ملے گا
کرگس کو بھی شاہین سمجھ لیتی ہو جو قوم
اس قوم کو کچھ ڈھنگ کا لیڈر نہ ملے گا
اپنے ہی جلاتے ہیں نشیمن کو مرے دوست
اپنوں سے کبھی پیار برابر نہ ملے گا
جس قوم کے بچوں کو میسر نہ ہو تعلیم
اس قوم کے بچوں کو کبھی گھر نہ ملے گا
ڈھونڈو گے اگر میرے سوا اور کوئی دوست
ایسا تو کوئی مہرِ منور نہ ملے گا

مل جائیں گے دنیا میں تمہیں یار ہزاروں
کردار کا غازی کوئی ہمسر نہ ملے گا
ویسے تو جہاں سارا دل آویز ہے لیکن
لاہور کے جیسا کوئی منظر نہ ملے گا
میں تازہ ہواؤں کے تبسم کا امیں ہوں
مجھ سے کبھی بیمار تاثر نہ ملے گا
جو شخص زمانے کو محبت کا ہنر دے
اس شخص سے بہتر کوئی رہبر نہ ملے گا
جو ماں کی نصیحت کو کہے کہنہ خیالات
اس سے تو بڑا کوئی ستمگر نہ ملے گا
ایمان سے بہتر کوئی دولت ہی نہیں ہے
ایماں کے بنا قربِ پیغمبر نہ ملے گا
میں نالہء دل کس کو سناؤں گا اے ماجد
مجھ کو تو وفا کا کوئی پیکر نہ ملے گا

سیف علی سیف

کوئی ملتی ہے جب خوشی ہم کو
خواب لگتی ہے زندگی ہم کو
ہم اگر خود نہ توڑتے چپ کو
چاٹ لیتی یہ خامشی ہم کو
لفظ بنتے تھے حوصلہ دل کا
شاد رکھتی تھی شاعری ہم کو
تم اگر ہاتھ تھام کر رکھتے
زیر کرتی نہ زندگی ہم کو
زخم دل کے مہکنے لگتے ہیں
یاد آتی ہے جب تری ہم کو
ہاتھ آنکھوں سے جب ہٹاتے ہو
گھیر لیتی ہے تیرگی ہم کو

ثروت رضوی

علم دل کی نرمی ہے، علم آنکھ کا نم ہے
روشنی کا جادو ہے، علم ایک وعدہ ہے
حرف جو پڑھے ہم نے حرف جو لکھے ہم نے
حرف جو کہے ہم نے حرف جو سنے ہم نے
ان کا قرض واجب ہے، باب علم سے پوچھو
علم وہ بشارت ہے، جس تلک رسائی کا
جاہلوں سے وعدہ بھی بعد میں لیا پہلے
علم کی ہدایت کا عہد رب عالم نے
عالموں سے لے کر یہ حکم فرض کر ڈالا
عالموں پہ واجب ہے علم عام کر جائیں
علم شاہ عالم ہے علم ہی ریاست ہے
علم ہی گواہی ہے علم ہی شہادت ہے
علم پاسباں ٹھہرا، علم ہی حفاظت ہے

عاصی صحرائی

مجھے جو کچھ بھی کہنا تھا
ابھی میں کہہ نہیں پایا!
میری سوچ کی زد میں بہت کچھ آیا
مجھے وہ درد لکھنا ہے
جسے میں نے عمر بھر پایا
ابھی وہ کرب لکھنے ہیں
جو زندگی بھر بھول نہیں پایا
ابھی وہ دوست لکھنے ہیں
جن کو لکھ نہیں پایا
ابھی وہ اشک لکھنے ہیں
جنہیں پونچھ نہیں پایا
ابھی تو جوانی کی شوخیاں
تحریر کرنی ہیں
زندگی بھر جو بھول لکھی نہ گئیں
ابھی تو مجھے فرقت کے قصے
بیان کرنے ہیں
جن کو میں جھیل نہیں پایا
دور کرنے ہیں پانی سے
کچھ پیاس کے پہرے
ابھی تو خشک صحرا میں
مجھے پھر سے جانا ہے
کہیں چاندنی لکھنی ہے
کہیں دھوپ اور سایہ
کہیں ہجر لکھنا ہے
کہیں تیرہ تار راتیں
ابھی تو کئی دلخراش لمحے
تجھے سنانے ہیں
اپنی عاشقی کے رتجگے
یاد ہیں مجھ کو
ابھی وہ پھر لکھنے ہیں
جو تیرے سنگ بیتے تھے
ابھی وہ زہر لکھنے ہیں
جو مل کے دونوں پیتے تھے
ابھی وہ لوگ لکھنے ہیں
دل جن کے حاسد تھے
ان کا ذکر کرنا ہے
جو تیرے قاصد تھے
جو مجھے تجھ سے ملاتے تھے
مجھے وہ سب کچھ لکھنا ہے
جو تم سے کہہ نہیں پایا
میری تحریر کی زد میں
ابھی تو کچھ نہیں آیا
عاصیؔ وہ دوست لکھنے ہیں
میں جن کو مل نہیں پایا

جمشید مسرور ناروے

دل ٹوٹ بھی جائے تو دُہائی نہیں دیتا
آنسو کبھی گرنے پہ سنائی نہیں دیتا
یہ ضعفِ بصارت ہے کہ ہے خون ہی بے رنگ
لگ جائے تو ہاتھوں پہ دکھائی نہیں دیتا
منظر کہ اُسے عکس میں ڈھلنے سے ہے انکار
آئینہ کہ منظر کو دکھائی نہیں دیتا
اک سبز سا انکار ہے اُن سُرخ لبوں پر
اک سانپ ہے پھولوں میں دکھائی نہیں دیتا
ہر شخص کو معلوم ہیں دانائی کی باتیں
پڑ جائے مصیبت تو سجھائی نہیں دیتا
سنتے ہیں مرے شعر کچھ ایسے کہ نہیں ہیں
دیتے ہیں اگر داد سنائی نہیں دیتا
پڑھتے ہیں مری پیاس مری گردِ سفر سے
دریا مرے دامن میں دکھائی نہیں دیتا
خورشید پہ الزام تراشی بھی غضب ہے
اندھوں کو تو دن میں بھی دکھائی نہیں دیتا
جمشید پہ ثابت ہوئی تہمتِ یاراں
یہ شخص کبھی اپنی صفائی نہیں دیتا

ساجد محمود رانا

پینا قبول ہے یہاں کھانا حرام ہے
رزقِ حلال بھی تو کمانا حرام ہے
منبر پہ نفرتوں کے ہیں خطبے حلال سب
لیکن سپیکروں میں تو گانا حرام ہے
جائز ہے جو پسند ہے واعظ کو سب یہاں
اور جو نہیں پسند کھانا حرام ہے
دنیا ہے شوق سے یہاں دل کو جلائیے
لیکن حضور لاشیں جلانا حرام ہے
خود مولوی بناتے ہیں دن رات سیلفیاں
تصویر کہہ رہے جو بنانا حرام ہے
ہر چیز مفتیوں پہ ہوئی ہے حلال کیوں
ایسا کوئی سوال اٹھانا حرام ہے
ساجد یہ مفتیوں کا ہے مُلاں کا دیس ہے
سننا جہاں حلال سنانا حرام ہے

ایس۔ایم۔تقی حسین

کہہ رہی ہیں خشک پتوں سے ہوا کی شوخیاں
ہم تمہیں رستے سے بھٹکائیں نہیں تو کیا کریں
عشق کی غیرت ہے اپنی، لب پہ مُہرِ خامشی
زخمِ غم ہم اپنے چمکائیں نہیں تو کیا کریں
حُسن کا کعبہ دگر اور حج پہ ہیں عُشاقِ گل
سر کو اپنے ہم جو مُنڈوائیں نہیں تو کیا کریں

انیس ندیم جاپان

دُور ہوں اہلِ کشمیر کے سارے غم
ملتجی ہم خدا سے دعا گو ہیں ہم
ختم ہو یہ کٹھن دورِ ظلم و ستم
دُور ہوں اہلِ کشمیر کے سارے غم
آج مصلوب ہیں ساری آزادیاں
کتنے مجبور ہیں تیرے پیرو جواں
ہے کٹھن وقت یہ دورِ رنج و الم
دُور ہوں اہلِ کشمیر کے سارے غم
اے مہکتے گلوں کی حسیں سر زمیں
عافیت سے رہیں تیرے سارے مکیں
تُجھ پہ برسے ہمیشہ خدا کا کرم
دُور ہوں اہلِ کشمیر کے سارے غم
کر رہے ہو لہو سے رقم داستاں
تم پہ ہوگا خدا ایک دن مہر باں
عون و نصرت کے وارث رہو دم بہ دم
دور ہوں اہل کشمیر کے سارے غم
سب اسیروں شہیدوں کی قربانیاں
بخدا جائیں گی کیسے یہ رائیگاں
یونہی چلتے رہو تم قدم بہ قدم
دُور ہوں اہلِ کشمیر کے سارے غم

منظر بھوپالی

جو چاہے کیجیے کوئی سزا تو ہے ہی نہیں
زمانہ سوچ رہا ہے خدا تو ہے ہی نہیں
دِکھا رہے ہو نئی منزلوں کے خواب ہمیں
تمہا رے پا س کوئی راستہ تو ہے ہی نہیں
بچانے آئیں گی رحمت کی بارشیں کیسے
جُھلستے پھولوں کے لب پر دعا تو ہے ہی نہیں
وہ اپنے چہرے کے داغوں پہ کیوں نہ فخر کریں
اب ان کے پاس کوئی آئینہ تو ہے ہی نہیں
سب آسمان سے اُترے ہوئے فرشتے ہیں
سیاسی لوگوں میں کوئی بُرا تو ہے ہی نہیں
بنے گا دوستو دریا میں راستہ کیسے
ہمارے پاس ہمارا عصا تو ہے ہی نہیں

کُن فَیَکُون

یارب۔! میں ایک کھلونا مٹی کا۔!
تیرے کُن سے جو تخلیق ہوا۔!
تیرے کرم نے ذی روح کیا مجھے۔!
تیرے حکم سے سانسیں چلتی ہیں۔!
تیرے فضل سے ہستی قائم ہے۔!

تو اول تو ہی آخر ہے ۔!
تو ظاہر ہے تو باطن ہے ۔!
اِک اور کرم فرما مجھ پہ۔!
میرے سارے زنگ اتار یا رب ۔!
اور اپنا رنگ چڑھا مُجھ پہ۔!

غوثیہ سلطانہ نورؔی

تڑپ رہی ہے دنیا اپنا کوئی تو ہو
سیدھے سادے سوچ میں اعلیٰ کوئی تو ہو
بندے تو دُنیا میں لاکھوں ہیں لیکن
جس پہ کریں ہم دل سے بھروسہ کوئی تو ہو
ہنس کر ملنے کو تو ملتے ہیں سارے
دل سے اپنا کہنے والا کوئی تو ہو
سچ کی دُنیا کو میں سجاؤں دلہن جیسی
حق کی باتیں کرنے والا کوئی تو ہو
ظا ہر و باطن دونوں جس کے ایک رہیں
ایسا بھی پرکیف نظارہ کوئی تو ہو
آنکھوں میں جینے کی چاہت بھر جائے
کہہ دوں جس کو میرا اپنا کوئی تو ہو
اندھیارے میں روشن تارہ ہو نورؔی
اخلاق نبی ﷺ کے رکھنے والا کوئی تو ہو

امجد مرزا امجدؔ

مِٹ گئے عشق کی انا کے لئے
جان دی ایک بے وفا کے لئے
یوں لپکتی ہے زیست سُوئے اَجل
آشنا، جیسے آشنا کے لئے
کیا غضب ہے کہ تیرے ہوتے ہُوئے
ہم نے لیا احسان ناخدا کے لئے
نزع میں بھی کُھلی رہیں آنکھیں
جانے کِس عرضِ مُدعا کے لئے
غیرتِ عشق بھی عجب شے ہے
ہاتھ اُٹھتے نہیں دعا کے لئے
پھُول مرجھا نہ جائیں شاخوں پر
مسکرا دیجئے خُدا کے لئے
لطف کچھ بھی نہیں ہے جینے میں
جی رہا ہوں تری رضا کے لئے
تم ترستے ہی رہ گئے امجدؔ
عرصۂ زیست میں وفا کے لئے

فریدہ انجم (پٹنہ)

ہوگئے قید گھر کے اندر سب
کھانے پینے کی گویا حاجت ہے
دانے دانے کو ہوگئے ہیں محتاج
جس کی ہر حال میں ضرورت ہے
گرم جوشی سے کیا ملائیں ہاتھ
اب تو ملنا بھی اک مصیبت ہے
غسل تک موت پر نہیں واجب
ہاتھ دھونے کی کیا ضرورت ہے
اس عجب خوف اور دہشت میں
آدمی کی عجیب صورت ہے
اس قدر بے رخی نہ تھی پہلے
اب کے انسانیت بھی رخصت ہے
رہ گیا جم کے اب لہو انجمؔ
سوچتی ہوں یہ کیا قیامت ہے

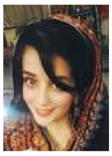

صائمہ کامران

دلوں پر یہ جنوں خیزی یونہی طاری نہیں ہوتی
محبت کے تعلق میں اداکاری نہیں ہوتی
وہی الزام دھرتے ہیں وہی تہمت لگاتے ہیں
کہ جن لوگوں کی فطرت میں وفاداری نہیں ہوتی
کوئی تو خاص ہستی ہر کسی کے دل میں بستی ہے
کسی کی زندگی بھی پیار سے عاری نہیں ہوتی
یہاں کوئی تو آیا تھا ابھی مجھ سے ذرا پہلے
مری آمد پہ تو اس طور تیاری نہیں ہوتی
سنا ہے وہ سکوں سے سو رہے ہیں بے خبر مجھ سے
وگرنہ یہ شبِ ہجراں کبھی بھاری نہیں ہوتی
سنانا شاعری بے کار ہے خالی دماغوں کو
کبھی بنجر زمینوں پر شجرکاری نہیں ہوتی
چلو بازارِ دنیا سے الگ رستہ بناتے ہیں
تہی دامانیاں لے کر خریداری نہیں ہوتی
جگر کو چیر دیتی ہے قلم کی کاٹ بھی اکثر
کہا کس نے کہ یہ تلوار دو دھاری نہیں ہوتی
دکھا سکتی تھی میں بھی آئینہ تجھ کو سرِ محفل
اگر میری طبیعت میں رواداری نہیں ہوتی
یہی سب سائمہؔ ہے پر تمہیں کیسے یقیں آئے
تمہارے بن مجھے یہ زندگی پیاری نہیں ہوتی

راحت اندوری

نیا سورج نکالا جا رہا ہے
دیئے میں تیل ڈالا جا رہا ہے
ہمیں بنیاد کا پتھر ہیں لیکن
ہمیں گھر سے نکالا جا رہا ہے
نہ ہار اپنی نہ اپنی جیت ہوگی
مگر سکہ اچھالا جا رہا ہے
میرے جھوٹے گلاسوں کو چکھا کر
بہکوں کو سنبھالا جا رہا ہے
جنازہ پہ میرے لکھ دینا یارو
محبت کرنے والا جا رہا ہے

عبدالجلیل عباد جرمنی

ہم کیسے تجھ سے گلہ کریں میرے آسماں رُخِ حال کا
کہ زمیں تو اب یہ ہے دے رہی ہمیں پھل ہمارے اعمال کا
کبھی سوچنا جو خَلِش اُ ٹھے اے زماں تمہارے ضمیر سے
کیو ں اُجڑ گیا سارا حُسن یہ تِرے دل سے شاخِ جمال کا
ہائے بد نصیبی جنہیں کبھی آئی راس خو شبو نہ پیار کی
کیسا نفرتوں نے جُدا کیا تھا جو ربط قُرب و وصال کا
نہ دلیل سے ہوئے مطمئن نہ کسی بھی حسنِ خیال سے
نہ ہی با رشوں سے ہرا ہوا یہ جو دشت ان کے سوال کا
یہ چاند کتنا حسین ہے کبھی خود سے نکلو تو دیکھنا
کیوں اُبلتا رہتا ہے دیکھ یہ انا کا تم میں وَبال کا
دیکھو دے رہا ہے اذاں کوئی سُنو غور سے وہ ہے کہہ رہا
جنہیں زَعم تھا تاج و تخت پہ آیا وقت ان پہ زوال کا
دیکھو ہر ادا کیسی پُر کشش ہر بات میں چھپی مَعرفت
دیکھو اِک جہان ہے کہہ رہا یہ تو آدمی ہے کمال کا
ہمیں شہرتوں سے غرض نہیں ہمیں دولتوں کی مرض نہیں
ہمیں غم ہے آلِ ہلا ل کا ہمیں فکر آلِ بلال کا
کبھی دھوپ تیغِ بُرّاں بنی کبھی وقت کی ہے سناں تنی
راہِ یار میں لبِ عشق پہ آیا حرف نہ ہی ملال کا
کبھی اُلفتیں کبھی نفرتیں کبھی قُربتیں کبھی فُر قتیں
ہم آلِ عشق ہیں ان سے ہے اِ ک رشتہ شہرِ خیال کا
یہ سفر سارا ہی گھو متا دلِ ذات سے تیری ذات تک
ہے ترے ہی فیض کا سلسلہ جو اُبھر رہا ہے جمال کا

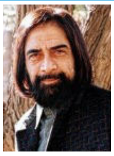

عبیداللہ علیم

میں کیسے جیئوں گریہ دنیا ہر آن نئی تصویر نہ ہو
یہ آتے جاتے رنگ نہ ہوں اور لفظوں کی تنویر نہ ہو
اے راہِ عشق کے راہی سُن چل ایسے سفر کی لذت میں
تری آنکھوں میں نئے خواب تو ہوں پر خوابوں کی تعبیر نہ ہو
گھر آؤں یا باہر جاؤں ہر ایک فضا میں میرے لئے
اک جھوٹی سچی چاہت ہو رسموں کی کوئی زنجیر نہ ہو
جیسے یہ مری اپنی صورت مرے سامنے ہو اور کہتی ہو
مرے شاعر تیرے ساتھ ہوں میں مایوس نہ ہو دلگیر نہ ہو
کوئی ہوتو محبت ایسی ہو مجھے دھوپ اور سائے میں جس کے
کسی جذبے کا آزار نہ ہو کسی خواہش کی تعزیر نہ ہو

حنیف تمنا

اپنی کتاب ''ہوا سے پہلے'' سے ایک غزل

یوں عِلاجِ غمِ دِل کا کوئی پہلو نکلے
چشمِ آہو جو اُٹھے، دل کا یہ آہو نکلے
ہے شبِ وعدہ وہ مہتاب سِیہ پوش آئے
یا مری شب سے یہ اُمیّد کا جگنو نکلے

***

نکہت آلود ہے یوں تیرے تخیُّل سے دماغ
جس طرح پیرہنِ گُل سے ہے خوشبو نکلے

***

ماہِ روشن پہ ترے رُوئے درخشاں کا گماں
اَبرِ تیرہ جسے سمجھے، ترے گیسو نکلے

***

تیر پیوستۂ دِل، کارِ نظر ہے تیرا
مُستعدِ تھی جو کماں، وہ ترے اَبرو نکلے

***

ہر ستم اب ہے غمِ یار کا بِالمِثل علاج
ہر نیا زخم مرے درد کا دارُو نکلے

***

دیکھ کر جسم رَسَن پر یوں مُعلَّق میرا
دُشمنِ جان مرے، پیٹ کے زانو نکلے

***

آرزو ہے کہ ترے دل میں بسوں میں اک دن
پھر اُسی روز مرے دل سے مگر تو نکلے

***

جب خزاں دیدہ تمنّا کا خیال آئے کبھی
نخلِ اُمید کی ہر شاخ تری سُو نکلے

احکم غازی پوری

بیمار تجھے کچھ ہوش بھی ہے احباب پریشاں ہوتے ہیں
دیدار کی حسرت میں ہر شب یہ خواب پریشاں ہوتے ہیں
ہر لمحہ خود اپنی جنبش سے سیماب پریشاں ہوتے ہیں
افلاس مقدر ہے جن کا کس بات کی پھر وہ فکر کریں
یہ سچ ہے ہمیشہ دولت کے ارباب پریشاں ہوتے ہیں
جو روح کو تڑپادے میری وہ نغمہ سنادے پھر مجھ کو
اے تارِنفس آواز تو کر مضراب پریشاں ہوتے ہیں
کیا جانئے اپنے مِحور پر صدیوں سے خلا میں کیوں ابتک
گردش کے لئے سیّاروں کے مہتاب پریشاں ہوتے ہیں
پانی پہ ہوائیں کرتی ہیں تعمیرِ حبابِ دریا جب
پھر نقش مٹانے کی خاطر گرداب پریشاں ہوتے ہیں
موقع کے مطابق لازم ہے لوگوں کا مہذّب ہونا بھی
بدذوق اگر ہوں محفل کے آداب پریشاں ہوتے ہیں
صحراؤں کے نخلستانوں میں جب گرم ہوائیں چلتی ہیں
ہوتے ہیں شجر بے فکر گلِ شاداب پریشاں ہوتے ہیں
انسان کو بیشک قدرت نے انمول تحائف بخشے ہیں
دنیا میں نہ ہو جب قدر دِرِّ نایاب پریشاں ہوتے ہیں
ذی ہوش و نباتِ صحرا کو سیراب یہی تو کرتے ہیں
جب موسمِ گرما آتاہے تالاب پریشاں ہوتے ہیں
غوّاصِ معانی گر تم ہو یہ بحرِ ادب پایاب بھی ہے
کم علم لبِ دریا پر ہی غرقاب پریشاں ہوتے ہیں
خوش رنگ پرندے کو انساں تفریحاً مار گراتا ہے
دنیا میں بقائے نسل کو اب سرخاب پریشاں ہوتے ہیں
بھگوان کی پوجا کرتیہیں بیکنٹھ کی چِنتا میں پنڈت
جنّت کے لئے مُلّا بھی تہہِ محراب پریشاں ہوتے ہیں
ہمدرد ترے ملنے کیلئے بیٹھے ہیں سرِ بالیں کب سے
’’بیمار تجھے کچھ ہوش بھی ہے احباب پریشاں ہوتے ہیں،،
عنوان کی زینت ہوتے ہیں اندازِ تخیل بھی احکم
مضموں نہ موثر ہو خط کا القاب پریشاں ہوتے ہیں

وادیٔ کشمیر کی بیٹی کا سپنا۔ عالیہ جبیں

یہ سپنا ہے تو میں اس خواب کی تعبیر دیکھوں گی
میں اِس سپنے کی آنکھوں سے حسیں تصویر دیکھوں گی
بہت ظلم و ستم دیکھے ہیں وادی کے مکینوں نے
میں اب اِن کے دُکھوں کی ٹُوٹتی زنجیر دیکھوں گی
اندھیری رات اور ظلم وجبر کی انتہا ہے یاں
میں اب سب ظالموں پہ بھی چلی شمشیر دیکھوں گی
جہاں ماں باپ کے سامنے ہی بیٹے قتل ہوتے
جہاں پر بیٹیوں کے لُٹنے پہ ہیں روزو شب روتے
جہاں وادی کے قریہ کے یہ بام وِدَر نہیں سوتے
جہاں ہر طرف بس چیخوں کے دل سے پُھوٹتے سَوتے
جہاں پر بھوک سے بچے یہ روتے بلبلاتے ہیں
کلیجے اب تو ماؤں کے جہاں پر پھٹتے جاتے ہیں
جہاں ہر شام ہی شامِ غریباں سب کو ہوتی ہے
جہاں پر صبح روتی ہے جہاں پر رات روتی ہے
میں اِک دن اِن ڈرے چہروں پہ کھلتے پھول دیکھوں گی
میں اِن کے آنگنوں میں بھی یہ ہنستے پھول دیکھوں گی

حسیب احمد ظفر

شجرسے پتے بھی ٹوٹ کر اب شجر سے مانگیں حساب اپنا
کسی نے مانگی ہے چھاؤں اپنی تو کوئی مانگے گلاب اپنا
ہے مسجدوں میں نمازیوں کا مقابلۂ قصیدہ گوئی
وہ جیت جائےگا آج پھر سے جو بیچ دے گا ثواب اپنا
وہ جس کا سایہ بھی معتبر ہے، وفا نما سا وجود اُسکا
وہ دھوپ اوڑھے تپا رہا ہے تمازتوں میں شباب اپنا
مجھے گوارا تھی مات اپنی،جواب میرے سوال میں تھا
وہ دل شناسا وجود اُسکا، بتانہ پایا جواب اپنا
میں اجنبی سا بقا کے رستوں پہ کب تلک یوں بھٹکتا پھرتا
بنامِ گردو غبار جاناں میں چھوڑ آیا سراب اپنا

سچے موتی

آفتاب شاہ

میراں جی کا جنسی تصور

عورت کا تصور جذبات کے سمندر میں صرف طوفان برپا نہیں کرتا بلکہ سکوت اور سکون کا دلنشین احساس بھی اُجاگر کرتا ہے وہ احساس جو ماں کو جنت کی کنجی قرار دیتا ہے اور بہن کو ٹھنڈی ہوا کا جھونکا بنا دیتا ہے بیٹی کو پگ کا شملہ بنا کر عزت کے دوپٹے میں لپیٹ دیتا ہے بیوی کو قوسِ قزح کا وہ بیانیہ بنا دیتا ہے جو ہر رنگ میں مرد کی زندگی کا آسمان ہوتے ہوئے بھی اسکی زمین بن جاتا ہے میراں جی کی شاعری میں یہی عورت محبوبہ کا رُوپ دھار لیتی ہے اور یہ تصور جب عشق کے نام پر ڈھول بجاتا ہے تو جنس کی بانسری سے ہوس کی حوا برہنہ رقص پیش کرتی ہے اور لذت پسندی کے شیرے میں ڈوبے ہوئے آزاد پسندی کے سوقیانہ تصور کو اس طرح عورت کے جنسی تصور میں پیش کرتے ہیں کہ زندگی کی تعبیر صرف جنس سے وابستہ ہو جاتی ہے۔

اقبال اور فرد

اقبال کی شاعری اس تہذیب کے نام ہے جو اپنے اسرار و رموز سے ابھی آشنا نہیں ہے جن کو ابھی یہ احساس نہیں کہ وہ ایک سمندر کی مانند ہیں اور دنیا کی مثال ایک پیاسے شخص کی ہے جس کی حقیقت سوائے دھوکے اور فریب و سراب کے کچھ نہیں۔ مسلمان دنیاوی رنگینیوں میں کھو کر یہ بھول بیٹھا ہے کہ وہ اس اُمت سے ہے جو کائنات کی افضل ترین اُمت کے منصب پر فائز ہے۔ اقبال کا فلسفہ جہاں عمل اور جدوجہد سے باندھتا ہے وہاں پر دعا کی اہمیت کو بھی واضح کرتا چلا جاتا ہے۔ جب تک دعا کا پیالہ اللہ کی بارگاہ میں نہیں پہنچے گا تب تک تقدیر کا ہاتھ بھی سایہ فگن نہیں ہوگا اور اگر دعا کے ساتھ عمل کی قوت مل گئی تو تقدیر کا رُخ کسی سمت ہوا سے موڑا جا سکتا ہے۔ اُمت کا ہاتھ اگر اتحاد کی رسی کو پکڑ نہیں پائے گا تو مردِ مومن کا عکس اُدھورا رہ جائے گا۔ ایک مسلمان خودی کی سان پر تب ہی چڑھے گا جب عشق کی آگ میں تپ کر نیابتِ الٰہی کا حق ادا کرے گا۔ مردِ کامل تب ہی سامنے آئے گا جب فرد کا فاصلہ سمٹ کر اُمت کی اجتماعیت میں گم نہ ہو جائے اور اُمت تب بنے گی جب اجتماعیت کا عکس شریعت کے فرد کا روشن نشان نہ بن جائے۔

غالب ایک احساس کا نام

احساس اور جذبہ جب فکر کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوب کر عقل کی پیچیدہ راہوں پر چلتا ہے تو غالب کا کلام بن جاتا ہے۔ غالب رشک کی دنیاؤں سے استفہام کا سفر اس طرح طے کرتا ہے کہ حکیمانہ رُموز کا نیا جہاں وا ہو جاتا ہے پہلو داری اور زومعنویت کو شرارت کا لباس پہنا کر طنز کے تیر محبوبِ مجازی کے سینے میں پیوست کر دیتا ہے فارسیت غالب کو اس لیے بھی ممتاز کرتی ہے کہ وہ اس کا صرف حق ادا نہیں کرتے بلکہ قاری کو بھی سوچ کا مظہر عطا کرتا ہے اسی لئے نئے مفاہیم اور معنوں کا روشن طلسم خانہ نظروں کے سامنے تمثیلی رنگ کا افسانہ بن جاتا ہے جب الفاظ شخصیت کا رُوپ دھار لیں اور شخصیت کاٹ دار طنز کے لبادے میں انانیت کا نیم بسمل رقص پیش کرے تو غالب کی شاعری آفاقیت اعلیٰ تصویر بن جاتی ہے۔

مایوسی اور آگہی

انسانی نسلیں تہذیب کے بندھن میں اس طرح جکڑی ہیں کہ تمدن کا جز وقتی اثر ان کو وقت کا غلام بنا کر کل کی زمین بنجر کر دیتا ہے۔ اُداسی محبت کے جنون سے جنم لیتی ہے وہ جنون جو زندگی کے سفر کو کبھی تو تیز تر کر دیتا ہے اور کبھی اس کی رفتار موت کی آہٹ بن جاتی ہے۔ تمام عمر یہ بات سوچنے میں بسر ہو جاتی ہے کہ زندگی کا حاصل مل کر بھی کیوں میسر نہیں آیا۔ زندہ لمحات کا تعلق ابدیت سے ہے اور ابدیت احساس کے طاقتور تصور سے جنم لیتی ہے اور احساس کی اعلیٰ وارفع حالت انسان کی اخلاقی کیفیت ہے۔ انسان ذات کی قید سے آزاد ہو کر جب رُوح کے بندھن میں بندھ جاتا ہے تو آفاقیت کا چاند اس کے دل کے آسمان پر اس طرح چمکتا ہے کہ وہ دنیا، آخرت، ماضی، حال، مستقبل اور توقعات کے بے بنیاد تاج محل کو دل کی روشنی سے پرکھتا ہے۔ لیکن اُداسی اور مایوسی تب تک برقرار رہتی ہے جب تک آگہی کا در وا نہیں ہوتا۔

شہاب نامہ

تحریر کا حسن الفاظ کی بادشاہت سے قائم ہوتا ہے اور تسلسلِ بیان اُسلوب کی حکمرانی کو مستحکم کر دیتا ہے۔ واقعاتی ربط اور ڈرامائی پہلوداری تحریر کو آسمان کے ستاروں کی طرح روشن کر دیتی ہے۔ قدرت اللہ شہاب آپ بیتی کو جگ بیتی میں ڈھال کر ہڈ بیتی بنا دیتے ہیں واقعاتی تسلسل کو داستانوں کی فضا سے منور کر کے تحیر خیز حادثات کو جنم دیتے ہیں روحانیت کو تصوف کی چادر

میں ڈھانپ کر فسوں کاری کے قلم سے جادونگری آباد کرتے ہیں۔ انسانیت کا نوحہ پڑھتے ہوئے حکمرانوں کو حقیقت کی شرابِ دیرپا پلانے کا پرچار کرتے نظر آتے ہیں۔ کبھی کبھی اپنے خاکی عکس کو فرشتے کی تصویر میں ڈھال کر اس طرح پیش کرتے ہیں کہ انسان کی خوبصورت شبیہ صفحۂ قرطاس پر بنتی چلی جاتی ہے۔ زندگی کی حقیقتوں کو مسائل کے لامتناہی ادوار میں اس طرح تقسیم کرتے ہیں کہ ان کی باتوں پر مبالغہ اور افسانے کا گمان گزرتا ہے۔ آپ بیتی کے رموز واسرار اور اصول پسندی کے زینے کو طے کئے بغیر شہاب نامہ اُدھورا لگتا ہے۔

افکار اور ابدیت

آغازِ آدمیت اور انسانیت سے ہی مختلف افکار سامنے آنے لگے فکر تخلیق کے انداز وا کرتی ہے اور فلسفہ تحقیق کے لیے مواد فراہم کرتا ہے تخلیق اور تحقیق انسانی معاشرے کی ادبی بقا کی ضامن بن جاتی ہیں اور معاشرتی روّیوں کو ایک لڑی میں پرونے کے لیے معاون ومددگار بن جاتی ہیں تخلیق کا ایک نمایاں پہلو فکر اور عقل کا میلاپ ہے جو کبھی دانشِ برھانی اور کبھی دانشِ شیطانی سے دہر کے کارزار میں شرکی چنگاریاں پیدا کرتی ہے۔ وہ عظیم اور عہد ساز لوگ جنھوں نے تاریخ کے بند نقابوں کے اسرار کھولنے میں اپنی زندگی گزار دی ان ہی کے فلسفہ افکار عالمِ آب گل میں ابدیت کی روشن مثال بن گئے۔

شاعری کا مقصد

شاعری کا سب سے بڑا مقصد تعمیر سے جڑا ہے ایسی تعمیر جو کہ انسانی قلب کی ماہیت کو بدل کے رکھ دے۔ جو عشق کی کیفیت کو اس رواں ندی کی مانند بنادے جو قربِ خداوندی کے دریا میں غوطہ زن ہونے کی سعادت سے ہمکنار کردے۔ جو خون کی روانی اور دل کے دھڑکنے کو بامعنی کرکے ایک گیت کا عکس بنادے۔ جو تخیل کے سفر کو آسمان کی وسعت سے دل کی گہرائی کا بھنور بنادے۔ جو عشق میں سرفرازی کا جنون انسانیت کی بقا میں تلاش کرنے کا ہنر جان لے۔ وہ احساس جو شمع میں اس تصور کو جنم دے کہ پروانے کا مرجانا اس کی بدقسمتی نہ ٹھہرے بلکہ ذاتِ عرفان کا زینہ بن جائے۔ وہ شاعری جو انسانیت کی معراج کو تراشتے ہوئے تخلیق ہو وہ زمان ومکان سے بالاتر ہوجاتی ہے۔

قومی مقدر کے چھّید!!

یورپی یونین کے تمام ممالک، برطانیہ اور خلیج کے بیشتر ممالک کی سول ایوی ایشن سیفٹی ایجنسیوں نے PIA کی پروازوں کے لئے اپنی فضائی حدود بند کرتے ہوئے اپنی اپنی حدود میں اسکے داخلے پر پابندی لگادی!! یہ ہوتا ویژن یہ ہوتی ہے شاندار گورننس کہ موصوف وزیر ہوابازی اُٹھے اسمبلی فلور پر ایک بیان داغا اور اسکے نتیجے میں پاکستانی نیشنیلٹی کے حامل دنیا بھر میں پائلٹس گراؤنڈ کردیئے جائیں، انھیں ملازمتوں سے فوری برطرف کردیا جائے اور آپکی قومی ایئرلائن کے لئے دنیا بھر میں فضائی حدود بند کردی جائیں اور یوں ماہانہ اربوں کا خسارہ قومی مقدر بن کردنیا کو فلائٹ آپریشن شروع کروانے والی ایئرلائن پی آئی اے خود مکمل طور پر بند ہونے کے قریب ہوجائے اور پی آئی اے کو ملنے والا سارا کا سارا بزنس دیگر غیرملکی فضائی کمپنیاں اُچک لیں گے....اور ہاں ایک بات ہمارے اذہان میں رہے کہ قومی ائیر لائن کے تمام کے تمام پائلٹس جعلی لائسنس پر نہیں تھے اور جو باقی جعلی لائسنس کے حامل تھے بھی تو انکے خلاف کاروائی کیجاتی نہ قومی اسمبلی کے فلور پر تقریر، یہ انتہائی حساس معاملہ تھا جس پر سرعام ڈگڈگی بجانے کی نہیں نہایت خاموشی کیساتھ کاروائی کی ضرورت تھی نتیجہ آپ نے دیکھ لیا اور مزید دیکھتے جائیں!!

سوال:۔ مغلوں کے دور میں بجلی نہیں تھی تو وہ فواروں کو کیسے چلاتے تھے؟

جواب۔ کچھ تعمیرات میں چھت پر اوورہیڈ ٹینک موجود ہے جس میں پانی ہینڈ پمپ کے طریقے سے پہنچایا جاتا تھا اور وہاں سے بڑی لائن اور پھر چھوٹی لائن کے زریعے فوارہ کی شکل میں نکلتا تھا۔ ہینڈ پمپ چلانے کے لیے ونڈمل کا استعمال بھی ہوا ہے۔

مغلیہ ٹیکنالوجی یورپ کی اس ٹیکنالوجی سے بہت ایڈوانس تھی۔ انمیں دوہری چھتوں میں پانی کی ذخیرہ کیا گیا تھا اور دھوپ کی شدت کو پانی گرم کرنے میں کام میں لایا گیا۔ کئی جگہوں پر محدب عدسے کا استعمال بھی ہوا۔ یہ گرم پانی اسٹیم بوائلر کی طرز پر ویکیوم پمپ کی طرح استعمال ہوا اور اس ویکیوم میں پانی اوپر بھی چڑھایا گیا اور فوارہ بھی چلا۔ لیکن یہ سارے نظارے سورج غروب کے ساتھ ہی بند ہوجاتے تھے۔ اگر آپ شالامار باغ لاہور کو دیکھیں تو اندازہ ہوگا یہ تین سیٹپ میں بنا ہے۔ اور تینوں سٹیپ میں فوارے لگے ہیں۔ شالامار باغ کا پہلا پورش باہر موجود روڈ اور گراونڈ لیول سے نیچے ہے۔ اس کے بعد دوسرا پوشن۔ پہلے پورش سے تقریباً 10 فٹ نیچے ہے۔ اس کے بعد تیسرا پورشن دوسرے پورشن سے تقریباً 7،8 فٹ نیچے ہے۔ تینوں پورشن پر فوارے لگے ہیں۔ یہ ہوتا ہے انصاف۔

عدل اور بھوک

ملزم ایک 15 سالہ لڑکا تھا۔ ایک اسٹور سے چوری کرتا ہوا پکڑا گیا۔ پکڑے جانے پر گارڈ کی گرفت سے بھاگنے کی کوشش کی۔ مزاحمت کے دوران اسٹور کا ایک شیلف بھی ٹوٹا۔ جج نے فردِ جرم سنی اور لڑکے سے پوچھا ''تم نے واقعی کچھ چرایا تھا؟'' بریڈ اور پنیر کا پیکٹ'' لڑکے نے اعتراف کرلیا'' کیوں؟'' مجھے ضرورت تھی'' لڑکے نے مختصر جواب دیا۔ ''خرید لیتے'' پیسے نہیں تھے'' گھر والوں سے لے لیتے'' گھر پر صرف ماں ہے۔ بیمار اور بے روزگار۔ بریڈ اور پنیر اسی کے لئے چرائی تھی'' تم کچھ کام نہیں کرتے؟'' کرتا تھا ایک کار واش میں۔ ماں کی دیکھ بھال کے لئے ایک دن کی چھٹی کی تو نکال دیا گیا'' تم کسی سے مدد مانگ لیتے'' صبح سے مانگ رہا تھا۔ کسی نے ہیلپ نہیں کی'' جرح ختم ہوئی اور جج نے فیصلہ سنانا شروع کر دیا'' چوری اور خصوصاً بریڈ کی چوری بہت ہولناک جرم ہے۔ ور اس جرم کے ذمہ دار ہم سب ہیں۔ عدالت میں موجود ہر شخص، مجھ سمیت۔ اس چوری کا مجرم ہے۔ میں یہاں موجود ہر فرد اور خود پر 10 ڈالر جرمانہ عائد کرتا ہوں۔ دس ڈالر ادا کئے بغیر کوئی شخص کورٹ سے باہر نہیں جاسکتا۔'' یہ کہہ کر جج نے اپنی جیب سے 10 ڈالر نکال کر میز پر رکھ دیئے۔'' اس کے علاوہ میں اسٹور انتظامیہ پر 1000 ڈالر جرمانہ کرتا ہوں کہ اس نے ایک بھوکے بچے سے غیر انسانی سلوک کرتے ہوئے اسے پولیس کے حوالے کیا۔ اگر 24 گھنٹے میں جرمانہ جمع نہ کرایا گیا تو کورٹ اسٹور سیل کرنے کا حکم دے گی۔'' فیصلے کے آخری ریمارک یہ تھے'' اسٹور انتظامیہ اور حاضرین پر جرمانے کی رقم لڑکے کو ادا کرتے ہوئے، عدالت اس سے معافی طلب کرتی ہے۔'' فیصلہ سننے کے بعد حاضرین تو اشک بار تھے ہی، اس لڑکے کی تو گویا ہچکیاں بندھ گئی تھیں۔ اور وہ بار بار جج کو دیکھ رہا تھا۔ (کفر کے معاشرے ایسے ہی نہیں پھل پھول رہے۔ اپنے شہریوں کو انصاف ہی نہیں عدل بھی فراہم کرتے ہیں)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان عالیشان ہے کہ اگر کوئی شخص غربت کی وجہ سے روٹی چوری کرتا ہوا پکڑا جائے تو چور کی بجائے اس ملک کے حکمران کے ہاتھ کاٹ دیئے جائیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان عالیشان ہے کہ اگر دریائے فرات کے کنارے کوئی بکری کا بچہ پیاسا مرگیا تو مجھے ڈر ہے کے قیامت کے دن اس کا سوال مجھ سے ہوگا۔

پانچ کتابوں کا مصنف موچی۔ منور شکیل

فیصل آباد کی تحصیل جڑانوالہ کے نواحی قصبے روڈالا کے مین بازار میں سڑک کنارے بیٹھا منور شکیل پچھلی 3 دہائیوں سے دیہاتیوں کے پھٹے پرانے جوتے مرمت کرنے میں مصروف ہے۔ لیکن حالیہ برسوں میں منور کی عارضی دکان پر جوتے مرمت کروانے والے گاہکوں سے زیادہ ان کی تلخ اور شیریں حقیقتوں پر مبنی شاعری سننے والوں کا رش لگا رہتا ہے۔ منور پنجابی شاعری کی 5 کتابوں کے مصنف ہیں اور اپنی شاعری کی وجہ سے شہر کے مضافاتی علاقوں کی رہتل اور لوگوں کی زندگیوں کی حقیقتوں کا ترجمان مانے جاتے ہیں۔

۱۹۶۹ء میں پیدا ہونے والے منور شکیل نے ہوش سے پہلے ہی اپنے باپ کو کھو دینے اور رسمی تعلیم سے یکسر محروم رہنے کے باوجود 13 سال کی کم عمری میں شاعری کا آغاز کیا اور ان کی پہلی کتاب سوچ سمندر 2004ء میں منظرِ عام پر آئی۔ انہوں نے بتایا کہ وہ خاندانی موچی ہیں۔ میں سارا دن جوتوں کی مرمت اور صبح سویرے قصبے کی دکانوں پر اخبار فروشی کر کے ڈھائی سو سے 3 سو روپے کما تا ہوں جن میں سے روزانہ 10 روپے اپنی کتابیں شائع کروانے کے لیے جمع کرتا رہتا ہوں۔ منور کی دوسری کتاب پردیس دی سنگت 2005ء، تیسری کتاب صدیاں دے بھیت 2009ء، چوتھی کتاب جھورا دُھپ گواچی دا، 2011ء اور پانچویں اکھاں مٹی ہوگییاں 2013ء میں شائع ہوئی۔ ان کی اب تک شائع ہونے والی تمام کتابیں ایوارڈ یافتہ ہیں۔ وہ رویل ادبی اکیڈمی جڑانوالہ اور پنجابی تنظیم نقیبی کاروان ادب کے رکن ہونے کے ساتھ ساتھ آشنائے ساندل بار، پاکستان رائٹرز گلڈ، اور پنجابی سیوک جیسی ادبی تنظیموں سے اب تک کئی ایوارڈز اپنے نام کر چکے ہیں۔ اپنی شاعری کے حوالے سے بات کرتے ہوئے ان کا کہنا تھا کہ مختلف طبقات میں تقسیم ہمارے معاشرے میں نچلے طبقے کے لوگوں کو درمیانے اور اعلیٰ طبقے کے لوگوں کی طرف سے روز مرہ زندگی میں امتیازی سلوک کا سامنا کرنا پڑتا ہے لیکن کمزور لوگوں کے ساتھ کیے جانے والے اس سلوک کے خلاف آواز اُٹھانے والا کوئی نہیں۔

میں اپنی شاعری کے ذریعے نچلے طبقے کی آواز بننا چاہتا ہوں اور جو باتیں براہ راست نہیں کی جاسکتیں، انہیں اپنی شاعری کے ذریعے دوسروں تک پہنچانا چاہتا ہوں۔

اینوں کنے پانی دِتا، اینوں کنے بویا اے
پتھر دے جو سینے اُتے، بوٹا اُگیا ہویا اے

انہوں نے بتایا کہ بچپن میں میری خواہش تھی کہ میں پڑھ لکھ کر نام کماؤں لیکن ہوش سنبھالنے سے پہلے ہی والد کی وفات اور مالی وسائل کی کمی کے پیش نظر ایسا ممکن نہ ہوسکا تو میں نے خود کتابیں خرید کر مطالعہ شروع کیا اور اب کام سے واپس جا کر 3 سے 4 گھنٹے کتاب نہ پڑھوں تو نیند نہیں آتی۔

وہ کہتے ہیں کہ اپنی ماں بولی پنجابی اور ان کا تعلق وہی ہے جو ایک بیٹے کا اپنی ماں کے ساتھ ہوتا ہے۔ پنجابی پنجاب میں رہنے والے لوگوں کی مادری زبان ہے اور یہ ان کا بنیادی حق ہے کہ انہیں اس زبان میں تعلیم دی جائے اور حکومت کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ پنجابی سمیت تمام علاقائی زبانوں کے فروغ کے لیے اقدامات کرے۔ ان کا ماننا ہے کہ ایک اچھے شاعر کے لیے لازمی ہے کہ اس کے دل میں انسانیت کے لئے درد ہو جسے محسوس کرتے ہوئے وہ اپنے الفاظ کو شاعری میں ترتیب دے سکے۔ انہوں نے بتایا کہ ان کی 112 غزلوں پر مشتمل چھٹی کتاب تانگھاں رواں سال کے آخر تک شائع ہو جائے گی۔ محنت میں عظمت ہوتی ہے۔ مجھے جوتے مرمت کرنے میں کوئی شرمندگی نہیں لیکن میں چاہتا ہوں کہ لوگوں میں شعور پیدا ہو اور وہ کتابوں کا مطالعہ شروع کریں تا کہ ہم بھی ترقی یافتہ قوموں کی صف میں کھڑے ہوسکیں۔ منور شکیل کے ادبی استاد غلام مصطفی آزاد نقیبی کہتے ہیں کہ منور نے اپنی شاعری کمزور لوگوں کی نبض پر ہاتھ رکھ کر کی ہے جو عشق، صحبت حسن، زلف، اور رخسار وغیرہ کے قصوں سے نہیں بلکہ عام لوگوں کی ضروریات، خواہشات اور مشکلات سے نتھی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ مضافات میں رہنے والے لوگوں میں صلاحیتوں کی کمی نہیں ہوتی لیکن مالی وسائل کی کمی کے باعث وہ دوسروں سے پیچھے رہ جاتے ہیں۔

سرکاری ملازمین اور بوڑھا مشیر

ڈاکٹر عشرت حسین عمر 80 سال۔ مختلف سرکاری عہدوں سے ہوتے ہوئے آج کل مشیر وزیر اعظم کے عہدے پر براجمان۔ ابھی تک ریٹائر نہیں ہوئے۔ گورنمنٹ آف پاکستان کی پنشن کے ساتھ ساتھ ورلڈ بنک، آئی ایم ایف ایشین ڈویلپمنٹ بنک سے بھی مراعات لیتے رہے۔ آج کل سرکاری ملازمین کے قتل عام کے مشن پر۔ ملازمین کی ریٹائرمنٹ کی عمر 55 سال کرنے کے درپے۔ پنشن ختم کرنے کے IMF کے ایجنڈے پر کام کرتے ہوئے۔ موصوف گورنر سٹیٹ بنک بھی رہے۔ وزارت خزانہ میں بھی رہے اور ملکی معیشت سے متعلق فیصلہ سازی میں گذشتہ پانچ دہائیوں سے شامل رہے۔ ہر گورنمنٹ میں اہم پوسٹوں پر رہے۔

لیکن ملکی معیشت دن بدن گرتی جا رہی ہے۔ اس میں سب سے زیادہ قصور وار تو موصوف ہی ہیں۔ کوئی معیشت کے آئن سٹائین سے پوچھے کہ کچھ چھوٹے ملازمین کو نوکریوں سے فارغ کر کے اور غریب پنشنرز کی پنشن ہڑپ کر کے اگر ملکی معیشت ٹھیک ہوسکتی ہے تو ضرور کریں۔ لیکن ان کا ریکارڈ بتاتا ہے کہ ساری زندگی اپنی نوکری پکی کرنے کے چکر میں رہے۔ اب پچھلے دو سال سے وزیر اعظم آفس میں ملازمین کے خلاف سازشوں میں مصروف ہیں۔ اس پذیرائی کے لئے ممنون ہوں۔ آپ کی کاوش قابل صد تحسین ہے۔ سلامت رہیں پروفیسر محمود پاشا صاحب کامران مغل۔ (شاعر، صحافی، مترجم، ٹی وی نیوز پروڈیوسر)

حضرت پیر حکیم ناصر خسرو کہتے ہیں

طلسم و بندو زندان تو است ایں — بزو چشم خرد بکشا و خود بین

ترجمہ: پیر صاحب کا ارشاد ہے کہ یہ (جسم اور اسکے حواس) تیرے لیئے جادو، بندھن اور قید خانے کی حیثیت سے ہیں، پس جا اور دیدہ دانش کھول کر اپنے آپ کو دیکھ لے یعنی جسمانی لزتیں طلسم، بندھن اور قید خانے کی مثال ہیں کہ انسان ان سے نکل کر اپنی زات کی معرفت تک نہیں پہنچ سکتا لہٰذا جب تک علم و دانش کی آنکھ حاصل نہ کی جائے تو ان رکاوٹوں سے نکل جانے کا کوء راستہ دیکھا جا سکتا ہے اور نہ ہی انسان کی آخری حقیقت معلوم ہوسکتی ہے خوبصورت نظموں کو تخلیق کرنے والے عمدہ شاعر کامران مغل کو حکمت کی یہ باتیں کم عمری میں ہی سمجھ آنے لگیں تھیں وہ بچپن میں بہت خوب صورت تھے جیسا کہ آج بھی ہیں انکی خوبصورتی کی وجہ سے انکے گھر والے انہیں گونا اور استاد شیخ کہ کر پیار سے بلایا کرتے تھے انہوں نے اسکول کے زمانے سے ہی شاعری خاص کر نظم میں مہارت حاصل کی اسکول اور کالج کی تعلیم کے بعد آپ نے کراچی یونیورسٹی سے آ ءآر سیکنڈ ڈویژن اور ایم اے سیاسیات فرسٹ ڈویژن میں پاس کیا بعد میں انکی ترقی کے سلسلے شروع ہوئے انہوں نے آج ٹی وی، جیو ٹی وی پر نیوز پروڈیوسر خدمات انجام دیں اسکے علاوہ اے آر واء میں اسکرپٹ ایڈیٹر رہے اسکے علاوہ وقت نیوز، اپنا نیوز، ڈیلی از کار کراچی، ڈیلی انتخاب کراچی، جنگ کراچی، انتخاب کراچی، میں کاپی ایڈیٹر، ڈیسک انچارج، اسسٹنٹ ایڈیٹر، سینئیر کاپی ایڈیٹر، نیوز ایڈیٹر، اور سب ایڈیٹر کے فرائض بخوبی انجام دیئے کامران مغل نے نواب اکبر بگٹی پر لکھی گئی کتاب ''قتل کیوں کیا گیا'' جس کے مصنف انور ساجدی تھے

اس کتاب کی ترتیب وتدوین بھی کی اسکے علاوہ مصنف نرگس بلوچ کی کتاب ''ڈیتھ آف لائن'' کی ترتیب وتدوین بھی کی اسکے علاوہ مکتبہ دانیال، پاکستان لاؤوس اور اکیڈمی بازیافت کی کئی کتابوں کو ایڈٹ کیا اور مکالمہ کے مضامین کی پروف ریڈنگ بھی کی ہے۔کامران مغل حلقہ ارباب ذوق کے پریس سیکریٹری، ممبر کراچی یونین آف جرنلسٹ،فیڈرل یونین آف جرنلسٹ، جرنلسٹ آوٹ آف بارڈ، انٹرنیشنل یونین آف جرنلسٹ،ممبر یاران نمک دان، اورک ءادبی تنظیموں کے بھی ممبر ہیں۔

کامران مغل نے اپنی خوبصورت نظموں سے اپنے بہترین شاعر ہونے کی شناخت کرواء ہے ان کی نظمیں بظاہر الگ الگ عنوانات کے تحت تخلیق وتحریر کی گئیں ہیں مگر خیال وفکر اور طرز اظہار میں شعور کی رو کے سبب ایک تسلسل کی حامل ہوتی ہیں انکی نظموں کے مطالعے سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ کامران مغل زندگی کو محسوس کرنے کا ایک مخصوص شعوری رویہ رکھتے ہیں جو انکے اظہار میں ظہور پذیر ہوتا ہے انکی نظم میں مجموعی صورت میں شعور کی ایک رو گامزن رہتی ہے اور ایک مجموعی لہجہ بناتی ہے جو منفرد ہے اور یہی چیز باذوق قارئین کو اپنے سحر میں لینے کا باعث ہوتی ہے۔

اسکے علاوہ سب سے اہم بات یہ ہے کہ اچھا تخلیق کار ہونا اتنی بڑی بات نہیں جتنا کہ اچھا انسان ہونا اور اگر یہ دونوں خوبیاں یک جاں ہوجائیں تو سونے پر سہاگہ والی بات ہوتی ہے یہ دونوں چیزیں کامران مغل کی شخصیت کا حصہ ہیں وہ درد دل رکھنے والے ایک حساس انسان ہیں زندگی کے نشیب وفراز نے انہیں زندگی اور رویوں کی معنویت عطا کی ہے اپنے حسن اخلاق کی وجہ سے وہ جہاں جس شعبے سے بھی منسلک ہوئے انکو چاہا گیا اور وہ وہاں کی اہم ضرورت بن گئے وہ ادبی حلقوں میں بہت پسند کیئے جاتے ہیں کراچی آرٹس کونسل میں حلقہ ارباب ذوق کی تنقیدی نشست جس کی قیادت جناب زیب ازکار حسین کرتے ہیں اس میں اکثر کامران مغل ہی کامیاب نظامت کے فرائض انجام دیتے ہیں میری دعائیں انکے ساتھ ہیں اللہ ان کو مزید کامیابیوں سے نوازے آمین۔

عادتیں نسلوں کا پتہ دیتی ہیں

ایک بادشاہ کے دربار میں ایک اجنبی نوکری کی طلب لئے حاضر ہوا۔ قابلیت پوچھی گئ ۔ کہا سیاسی ہو۔(عربی میں سیاسی افہام وتفہیم سے مسئلہ حل کرنے والے معاملہ فہم کو کہتے ہیں) بادشاہ کے پاس سیاست دانوں کی بھر مار تھی۔ اسے خاص گھوڑوں کے اصطبل کا انچارج بنالیا۔چند دن بعد بادشاہ نے اس سے اپنے سب سے مہنگے اور عزیز گھوڑے کے متعلق دریافت کیا۔اس نے کہا نسلی نہیں، بادشاہ کو تعجب ہوا اسنے جنگل سے سائیس کو بلا کر دریافت کیا۔اس نے بتایا گھوڑا نسلی ہے لیکن اس کی پیدائش پر اس کی ماں مرگئی تھی یہ ایک گائے کا دودھ پی کر اس کیساتھ پلا ہے مسئول کو بلایا گیا۔تم کو کیسے پتا چلا اصل نہیں ہے؟ اسنے کہا۔ جب یہ گھاس کھاتا ہے تو گائیوں کی طرح سر نیچے کر کے جبکہ نسلی گھوڑا گھاس منہ میں لیکر سر اٹھا لیتا ہے۔ بادشاہ اس کی ہے فراست سے بہت متاثر ہوا۔مسئول کے گھر اناج، گھی، بھنے دنبے اور پرندوں کا اعلی گوشت بطور انعام بھجوایا۔اس کے ساتھ ساتھ اسے ملکہ کے محل میں تعینات کر دیا... چند دنوں بعد بادشاہ نے مصاحب سے بیگم کے بارے رائے مانگی۔اس نے کہا طور واطوار تو ملکہ جیسی ہیں لیکن یہ شہزادی نہیں ہے۔بادشاہ کے پیروں تلے سے زمین نکل گئ حواس بحال کیئے۔ ساس کو بلا بھیجا۔معاملہ اس کے گوش گذار کیا۔اس نے کہا حقیقت یہ ہے کہ تمہارے باپ نے میرے خاوند سے ہماری بیٹی کی پیدائش پر ہی رشتہ مانگ لیا تھا لیکن ہماری بیٹی 6 ماہ ہی میں فوت ہوگئی تھی چنانچہ ہم نے تمہار یبادشاہت سے قریبی تعلقات قائم کرنے کیلیئے کسی کی بچی کو اپنی بیٹی بنالیا۔ بادشاہ نے مصاحب سے دریافت کیا تم کو کیسے علم ہوا اس نے کہا اسکا خادموں کیساتھ سلوک جاہلوں سے بدتر ہے۔ بادشاہ اس کی فراست سے خاصا متاثر ہوا بہت سارا اناج بھیڑ بکریاں بطور انعام دیئے۔ ساتھ ہی اسے اپنے دربار میں متعین کر دیا۔

کچھ وقت گزرا پھر مصاحب کو بلایا اور اپنے بارے دریافت کیا مصاحب نے کہا جان کی امان۔بادشاہ نے وعدہ کیا تو اسنے کہا نہ تو تم بادشاہ زادے ہو نہ تمہارا چلن بادشاہوں والا بادشاہ کو تاؤ آیا مگر جان کی امان دے چکا تھا۔سیدھا والدہ کے محل پہنچا۔والدہ نے کہا یہ سچ ہے۔تم ایک چرواہے کے بیٹے ہو۔ہماری اولاد نہیں تھی تو تمہیں لے کر پالا۔بادشاہ نے مصاحب کو بلایا۔ پوچھا بتا تجھے کیسے علم ہوا؟ اسنے کہا۔بادشاہ جب کسی کو انعام واکرام دیا کرتے ہیں تو ہیرے۔موتی۔ جواہرات کی شکل میں دیتے ہیں۔لیکن آپ بھیڑ بکریاں۔کھانے پینے کی چیزیں عنایت کرتے ہیں یہ اسلوب بادشاہ زادے کا نہیں۔کسی چرواہے کے بیٹے کا ہی ہوسکتا عادتیں نسلوں کا پتہ دیتی ہیں۔عادات۔اخلاق اور طرز عمل خون اور نسل دونوں کی پہچان کرادیتے ہیں۔

راز جو کچھ ہو اشاروں میں بتا دینا
ہاتھ جب ان سے ملانا تو دبا بھی دینا

راحت اندوری

قندیل شعر وسخن کے زیر اہتمام آن لائن مشاعرے کی روئیداد

رپورٹ:
عبدالحمید حمیدی کنیڈا

قندیل ادب کے زیر اہتمام ایک آن لائن مشاعرے کا انعقاد 12 جولائی 2020 کو ہوا ۔ جس کی صدارت محترم عبدالجلیل عباد صاحب نے فر مائی ۔نظامت کے فرائض محترم رانا عبدالرزاق صاحب نے انجام دیئے ۔عبدلکریم قدسی صاحب اعزازی مہمان کے طور پر رونق افروز تھے ۔ پر و گرام کا آغاز تلاوت قرآن سے ہوا جو کہ طارق صفدر صاحب نے کی ۔عطا العزیز صاحب نے سب سے پہلے اپنا کلام پیش کیا۔

صاف ظاہر ہے یہ نتیجوں سے فیصلے آسمان سے تھے
ہی نہیں ایسے جملوں کا ورد کرتے ہیں جو ہماری زباں سے تھے ہی نہیں ۔

تجھ کو پانے کے بعد لگتا ہے
فاصلے درمیاں کے تھے ہی نہیں
آخرش کھل گیا مکینوں پر
وہ بھی اِس مکاں کے تھے ہی نہیں

محترم جناب طارق صفدر صاحب نے امیر الاسلام ہاشمی کا منتخب کلام پیش کیا۔

نیم شاعر ہوں مگر خالق دیواں تو ہوں
پھول اوروں کے سہی ورق گلدان تو ہوں
پھول ہیں چوری کے بہت سے میرے گلدانوں میں
کتنے استاد چُھپے ہیں میرے دیوانوں میں

جناب عبدالقدیر کوکب صاحب کچھ اس طرح گویا ہوئے۔

پل گزرتا نہیں ہے تمھارے بغیر
حال کیا ہے تمہارا ہمارے بغیر
پاس سب کچھ ہو ڈر پھر خسا رے کا ہے
ہے تجارت خدا سے خسا رے بغیر

ڈاکٹر طارق انور باجوہ صاحب نے اپنا خوبصورت کلام کچھ اس طرح پیش کیا۔

میں کسی ایسے خدا کو بھلا کیو نکر مانوں
سامنے آتا نہیں بات نہیں ہوتی ہے
مجھ کو اب صبح کی روشنی میں چلنا ہے
بیٹھ کر دن میں تو اب رات نہیں ہوتی ہے

ابنِ کریم صاحب کا خوبصورت کلام ملاحظہ ہو۔

میرے بدن میں آگ ہے ایسی بھری ہوئی
جیسے تیرے فراق کی ندی چڑھی ہوئی
قربت میں گزرے لمحوں کی یادوں میں گُم ہوں میں
تصویر ہو دیوار پر جیسے چڑھی ہوئی

شائق نصیر پوری صاحب نے اپنے مخصوص انداز میں کلام پیش کیا۔

گنگنائے بن ہی تو حمد و ثنا کرتا ہوں میں
سب پہ مولا رحم کر یہ ہی دعا کرتا ہوں میں
چاروں جانب پھیل جاتی ہے فضا لاحول کی
بےارادہ اے خدا جب بھی گناہ کرتا ہوں میں

ڈاکٹر عامر صاحب کا خوبصورت انداز بیان۔

ناچیز ہی رہنے دو بے دام ہی رہنے دو
بس کو چہ دلبر میں گمنام ہی رہنے دو
زخموں کو میرے چھیڑو اور ان پہ نمک چھڑکو
اور قلبِ پر یشاں میں کہرام ہی رہنے دو

جناب رانا عبدالرزاق صاحب نے پاکستان کے حالات کا نقشہ یوں کھینچا ہے۔

میرے خدایا میرے وطن پر عذاب کیوں ہے
سو طرح کی مصیبتوں کا سحاب کیوں ہے
یہ خون بکھرا ہے ہر گلی میں بشر کا کیوں ہے
قدم قدم پر یہ حادثوں کا شہاب کیوں ہے

خاکسار عبدالحمید حمیدی کو غزل پیش کرنے کا موقع ملا۔

شہر سنسان ہیں کسی جگہ پائی ہے
اک کواڑوں کی صدا ملنے مجھے آئی ہے
یہ مستعار کی صدیاں بھی اب تو بیت چلیں
پلٹ ہی جائے گی وہ چیز جو پرائی ہے

اطہر حفیظ فراز صاحب نے اپنا خوبصورت کلام ایسے پیش کیا۔

جب لوگ تمازت کے سزاوار ہوئے تھے
ہم اُن کے لئے سایہ دیوار ہوئے تھے
وہ جن کو محبت کا سلیقہ نہیں آیا
کب دل کے قبیلے کے وہ سردار ہوئے تھے

کاشف جلید صاحب نے اردو اور پنجابی میں کلام پیش کیا۔

اپنی ہر اک سانس تیرے نام لکھ دیتا
زندگی کی حسین شام تیرے نام لکھ دیتا
ہر پاسے خوشیاں ون ون پیاں بہاراں
میرے وی کج پلے پاو گنج میں دل نوں ٹھاراں

اسحاق ساجد صاحب کا خوبصورت گیت۔

بہار آگئی ہے سجن آو آو
ہے یادوں کے میلے تو دکھ کے جھیلے
کہ ہم پھر رہے ہیں اکیلے اکیلے
کھلا ہے وفا کا چمن آو آو
بہار آگئی ہے سجن آو آو

محترم جناب اعظم نوید صاحب نے انقلابی کلام پیش کیا۔

مُنہ میں رکھتے ہیں زباں قوت شنوائی بھی

پھر بھی گونگے ہیں کئی لوگ ہیں بہرے دیکھے
ہم نے صدیوں کا سفر کرکے جسے ڈھونڈا تھا
پیار کے رنگ بہت اُس میں ہیں پھیکے دیکھے

ڈاکٹر منور احمد کنڈے صاحب نے
پنجابی کلام پیش کیا۔

ہر محفل وچ خون خرابے حشر بازاراں وچ
پھلاں دے نے ہنجو رسدے اج مہکاراں وچ
میرے دل دے راز نے سبھے غیر نے کیویں جانے
کوئی تے میرا دشمن ہوسی سنگیاں یاراں وچ
یہاں مہرو مروت کون جانے
وفا کی کیا ہے قیمت کون جانے
ہوس کاروں کے بازارِ ہوس میں
ہے کیا عورت کی عصمت کون جانے

صاحب صدر جناب عبدالجلیل عباد صاحب کی محور کش شاعری کچھ اس طرح سے تھی۔

میں نے سوچا تھا کہ شبنم سے نکھر جاؤں گا
کیا پتا تھا کہ ہواؤں سے بکھر جاؤں گا
عشق دیتا میرے اندر یہ صدائیں کب سے
کوئی دریا میں نہیں ہوں کہ اتر جاؤں گا
صحراؤں میں وحشت کی وجہ سوچ رہا ہوں
میں فلسفہِ کرب وبلا سوچ رہا ہوں

عبدالکریم قدسی صاحب نے ازراہ شفقت شرکت فرمائی۔

نکال جتنے بھی ترکش میں تیر باقی ہیں
ابھی قفس میں بہت سے اسیر باقی ہیں
جہل کا طوطی بول رہا ہے ہر جانب
علم و ادب مصروف ہے گریہ زاری میں
اٹی کتابیں ہیں فٹ پاتھ کی مٹی میں
اور جوتے ہیں شیشے کی الماری میں

آخر میں احباب کا رانا عبدالرزاق صاحب نے تمام شعرا کرام کا شکریہ ادا کیا اور یہ خوبصورت محفل اختتام پذیر ہوئی۔

***

سردُرتوں کے کاریگر

مبشرہ ناز

جاؤ خدا تمہیں ہمیشہ سکھی رکھے ابا روتے اور دعائیں دیتے جاتے ان کی دعاؤں سے میری جھولی بھری تھی۔ ''اللہ تمہارے دل کو ہمیشہ سکون سے بھرا رکھے'' ابا کے لہجے میں آج یہ کیسی نرمی تھی ہمیشہ سے مختلف التجاؤں بھری۔!

cinnamon سی خوشبو گھلا فروری... آنسوؤں کے شیرے میں لپٹی ابا کی دعائیں اور جدائی کی یہ نم شام... سب کچھ ہی مختلف تھا۔ ڈولی میں بٹھانے سے پہلے ابا نے اپنے ہاتھ جوڑ کر کہا جو چاہے لے جاؤ بس اتنی سی گزارش ہے بیٹی۔ ''اپنی انا یہیں چھوڑ جاؤ'' ابا دُعاؤں کے جو تارے آپ نے میرے مقدر کے اونچے آسمان پر ٹانکے ہیں وہ کیسے اتاروں گی۔؟ بہت اونچے ہیں ابا انا چھوڑ گئی تو بونی ہو جائے گی آپ کی بیٹی'' کیا کروں گی ابا کس مشکل میں ڈال دیا آپ نے۔ مجھ سے میری ''میں'' کو ہی مانگ لیا۔ باقی کیا بچے گا ابا۔؟ ابا زیرِ لب مسکرائے۔ ''باقی سب ہی تو بچے گا'' یہ میری اور ابا کی پہلی خاموش گفتگو تھی۔ پھر اس کے بعد ہم باپ بیٹی اس گفتگو کے عادی ہوتے گئے۔ جہاں ''انا'' بستی ہے وہاں گھر نہیں بستے۔۔! سردیاں آنے والے تھیں۔ میرے دل کے لحاف کی نئی بھرائی دھنکائی کرنے کے بعد ابا نے آخری ٹانکا لگا کر دھاگہ کاٹ دیا۔ بڑی پکی گرہ تھی۔ میں نہیں جانتی تھی ابا سردرتوں کے کاریگر ہیں۔

ابا جھولی پھیلائے کھڑے تھے۔! ابا کی دعاؤں میں گھلی التجائیں، بچپن سے لے کر اب تک کے سارے کرم وہ بے شمار محبتیں، ان سب کے بدلے ابا نے مانگا ہی کیا تھا صرف ایک ''انا'' ابا جان بھی مانگتے تو آپ کی شفقتوں اور محبتوں پر وار دیتی انا کیا چیز ہے۔ تب انا کو میکے کی دہلیز پر چھوڑتے وقت میں سمجھ ہی نہیں پائی تھی ابا نے مجھ سے کیا مانگ لیا۔ ابا نے بہت آرام سے زندگی کے Spinning wheel کی نوک پر مجھے پرو ڈالا تھا۔ میری ''میں'' کو رکھ کر فروری کی اُس شام ابا نے مجھے رخصت کر دیا۔ آج بھی ابا کے گھر رکھی ہے۔ میری گڑیوں کے ہمراہ کمرے کے شیلف پر پڑی ہو گی یا شاید ابا کے گھر کے آنگن میں اماں سے لپٹی ضدیں منواتی اٹھلاتی ہو گی۔ جب بھی ابا کے گھر جایا کرتی وہ میرے ساتھ جانے کی فریاد کرتی، میں دل میں ملال لیئے گڑیوں کی طرح اسے بھی ہر بار وہیں چھوڑ آتی۔ ابا سے وعدہ جو کیا تھا کیسے توڑ دیتی۔ ابا نے اپنے پیار کی بہت بھاری قیمت وصول کی تھی مجھ سے دل میں کبھی کبھی شکوہ جگنے لگتا۔ ابا سنار تھے میں بھربھری مٹی سی، میں کوئی سونے کی ڈلی تھوڑا تھی جسے کھرا کرنے کے لئے ابا نے تیزاب میں ڈال دیا تھا۔ وقت گزرتا رہا ابا اور خود سے جدائی پر رفتہ رفتہ مجھ کو صبر آتا ہی گیا۔ یا شاید میرے پاس بچا ہی صبر تھا۔ وقت نے ثابت کر دیا کہ ابا کا فیصلہ درست تھا۔! مقدر کے اونچے آسمان پر ابا نے دعاؤں کے جو تارے ٹانکے تھے انہیں آنچل میں بھرنے کے لیئے لمبے قد کی کبھی ضرورت ہی نہیں پڑی۔ بونوں کے لیئے آسمان خود جھکا کرتا ہے، وہ بڑی شان سے جُھکتا اور میں ایک تارہ توڑ کر جھولی میں بھر لیتی۔ بہت سے تارے جمع ہوتے گئے یہاں تک کہ میری جھولی جگ مگ کرنے لگی۔ ابا کھوٹے کو کھرا کرنے کا نسخہ جانتے تھے اور بیٹیوں کو بسانے کا ہنر بھی۔ بھربھری مٹی سے بنے انسان میں مٹی کے برتن سی تاثیر آنے میں۔'' میں'' کو چھوڑنے جتنا وقت ہی لگتا ہے، میں یہ بات جان گئی تھی۔!

***

سعودی عرب کے شہر مکہ مکرمہ کا تعارف

رجل خوشاب

سعودی عرب مکہ کے بارے میں حیران کن معلومات۔

1- یہاں پانی مہنگا اور تیل سستا ہے۔

2- یہاں کے راستوں کی معلومات مردوں سے زیادہ عورتوں کو ہیں اور یہاں پر مکمل خریداری عورتیں ہی کرتی ہیں مگر پردے میں رہ کر۔

3- یہاں کی آبادی۔4 کروڑ ہے اور کاریں 9 کروڑ سے بھی زیادہ ہیں۔

4- مکہ شہر کا کوڑا شہر سے 70km دور پہاڑیوں میں دبایا جاتا ہے۔

5- یہاں کا زم زم پورے سال اور پوری دنیا میں جاتا ہے اور یہاں بھی پورے مکہ اور پورے سعودیہ میں استعمال ہوتا ہے، اور الحمدللہ آج تک کبھی کم نہیں ہوا۔

6- صرف مکہ میں ایک دن میں 3 لاکھ مرغ کی کھپت ہوتی ہے۔

7- مکہ کے اندر کبھی باہمی جھگڑا نہیں ہوتا ہے۔

8- سعودیہ میں تقریباً 30 لاکھ بھارتی، 18 لاکھ پاکستانی، 16 لاکھ بنگلہ دیشی، 4 لاکھ مصری، 1 لاکھ یمنی اور 3 ملین دیگر ممالک کے لوگ کام کرتے ہیں، وچو اللہ یہاں سے کتنے لوگوں کے گھر چلا رہا ہے۔

9- صرف مکہ میں 70 لاکھ AC استعمال ہوتے ہیں۔

10- یہاں کھجور کے سوا کوئی فصل نہیں نکلتی پھر بھی دنیا کی ہر چیز، پھل، سبزی وغیرہ ملتی ہے اور بے موسم یہاں پر بکتی ہے۔

11- یہاں مکہ میں 200 کوالٹی کی کھجور بکتی ہے اور ایک ایسی کھجور بھی ہے جس میں ھڈی یا ھڑِکل (گرُک) ہی نہیں۔

12- مکہ کے اندر کوئی بھی چیز لوکل یا ڈپلیکیٹ نہیں بکتی یہاں تک کے دوائی بھی۔

13- پورے سعودی عرب میں کوئی دریا یا تالاب نہیں ہے پھر بھی یہاں پانی کی کوئی کمی نہیں ہے۔

14- مکہ میں کوئی پاور لائن باہر نہیں تمام زمین کے اندر ھی ہے۔

15- پورے مکہ میں کوئی نالہ یا نالی نہیں ہے۔

16- دنیا کا بہترین کپڑا یہاں بکتا ہے۔ جبکہ بنتا نہیں۔

17- یہاں کی حکومت ہر پڑھنے والے بچے کو 600 سے 800 ریال ماہانہ وظیفہ دیتی ہے۔

18- یہاں دھوکا نام کی کوئی چیز ھی نہیں۔

19- یہاں ترقیاتی کام کے لئے جو پیسہ حکومت سے ملتا ہے وہ پورا کا پورا خرچ کیا جاتا ہے۔

20- یہاں سرسوں کے تیل کی کوئی اوقات نہیں، پر بکتا تو ہے، یہاں سورج مکھی اور مکئی کا تیل کھایا جاتا ہے۔

21- یہاں ہریالی نہیں یعنی درخت پودے نہ ہونے کے برابر ہیں، پہاڑ خشک اور سیاہ ہیں مگر سانس لینے میں کوئی تکلیف ہی نہیں، یہاں یہ سائنسی ریسرچ فیل ہے۔

22- یہاں ہر چیز باھر سے منگائی جاتی ہے پھر بھی مہنگائی نہیں ھوتی۔

آبِ زم زم کا سراغ لگانے والوں کو منہ کی کھانی پڑی۔ مزید نئے روشن پہلوؤں کے انکشافات سامنے آ گئے۔ تفصیلات کے مطابق آبِ زم زم اور اس کے کنویں کی پُر اسراریت پر تحقیق کرنے والے عالمی ادارے اس کی قدرتی ٹیکنالوجی کی تہہ تک پہنچنے میں ناکام ہو کر رہ گئے۔ عالمی تحقیق ادارے کئی دھائیوں سے اس بات کا کھوج لگانے میں مصروف ہیں کہ آبِ زم زم میں پائے جانے والے خواص کی کیا وجوہات ہیں اور ایک منٹ میں 720 لیٹر جبکہ ایک گھنٹے میں 43 ہزار 2 سو لیٹر پانی فراہم کرنے والے اس کنویں میں پانی کہاں سے آ رہا ہے جبکہ مکہ شہر کی زمین میں سینکڑوں فٹ گہرائی کے باوجود پانی موجود نہیں ہے۔ جاپانی تحقیقاتی ادارے ہیڈو انسٹیٹیوٹ نے اپنی تحقیقی رپورٹ میں کہا ہے کہ آبِ زم زم ایک قطرہ پانی میں شامل ہو جائے تو اس کے خواص بھی وہی ہو جاتے ہیں جو آبِ زم زم کے ہیں جبکہ زم زم کے ایک قطرے کا بلور دنیا کے کسی بھی خطے کے پانی میں پائے جانے والے بلور سے مشابہت نہیں رکھتا۔ ایک اور انکشاف یہ بھی سامنے آیا ہے کہ ری سائیکلنگ سے بھی زم زم کے خواص میں تبدیلی نہیں لائی جا سکتی۔

آبِ زم زم میں معدنیات کے تناسب کا ملی گرام فی لیٹر جائزہ لینے سے پتا چلتا ہے کہ اس میں سوڈیم 133، کیلشیم 96، پوٹاشیم 3.43، بائی کاربونیٹ

4.195، کلورائیڈ 3.163، فلورائیڈ 72.0، نائٹریٹ 8.124، اور سلفیٹ 124 ملی گرام فی لیٹر موجود ھے۔ آبِ زم زم کے کنویں کی مکمل گہرائی 99 فٹ ہے اور اس کے چشموں سے کنویں کی تہہ تک کا فاصلہ 17 میٹر ہے واضح رہے کہ دنیا کے تقریباً تمام کنووؤں میں کائی کا جم جانا، انواع و اقسام کی جڑی بوٹیوں اور خودرَو پودوں کا اُگ آنا نباتاتی اور حیاتیاتی افزائش یا مختلف اقسام کے حشرات کا پیدا ہو جانا ایک عام سی بات ہے جس سے پانی کا رنگ اور ذائقہ بدل جاتا ہے۔ اللہ کا کرشمہ ہے کہ اس کنویں میں نہ کائی جمتی ہے، نہ نباتاتی و حیاتیاتی افزائش ہوتی ہے، نہ رنگ تبدیل ہوتا ہے، نہ ذائقہ۔ تھوڑی سی زحمت فرما کر اپنے دوستوں سے بھی شیئر کرلیا کیجئے۔ ***

ربّ کی طرف لوٹو

شہزادہ مبشر گلاسگو سکاٹ لینڈ

بے کس و کمزور انساں!
دنیا کے طلبگارو
مولیٰ کی طرف لوٹو
گلشن بھی یہی بولیں
کہتی ہیں ہوائیں بھی
کم مایہ بہت ہو تم
ہے عمر بہت چھوٹی
اک مثلِ سراب ہے یہ
یعنی کہ حباب ہے یہ
وہ رب ہے عالم کا
مومن کا ظالم کا
ہر ایک کا وہ اللہ
اس کا ہے کرم سب پر
بھروسہ کرو تم رب پر
وہ آنکھ جھپکتے ہی
معجز بھی دکھاتا ہے
صحرا کو اگر چاہے
گلشن وہ بناتا ہے
لاٹھی کو بنا ڈالے
کہ سانپ ہو اک جیسے
رحمت ہے بڑی اس کی
ہر موڑ پہ دنیا میں
الفت ہے کھڑی اس کی
چاہے تو بھکاری کو
وہ شاہ بنا ڈالے
اور شاہ کو اک پل میں
مٹی میں ملا ڈالے
آتی ہے صدا اس کی
انسان کے دل پر بھی
وہ یاد دلاتا ہے
میں رب ہوں ترا واحد
آسانیاں سب میری
ہیں سارے جہانوں میں
صحرا میں مرے جلوے
اور شان چٹانوں میں
جب چاہوں میں بندے کی
پھر جانچ بھی کرتا ہوں
انسان کے ایماں کی
انصاف کی ایقاں کی
آسائش دنیا میں
گم سم انساں کی
میں یاد دلاتا ہوں
میں زندہ ہوں رب سب کا
جھک جاؤ مرے آگے
معبود ہوں میں سب کا
دنیا ہے یہ دو دن کی
اور میں ہوں ہمیشہ سے
شہزادہ مبشر تم
دیکھو تو کرم میرا
ایمان ترا مجھ پر
دیکھا ہے دھرم تیرا

بچوں کو مشکلات میں نہ ڈالئے

عاصی صحرائی

کیا زندگی میں آگے بڑھنے کیلئے مشکل حالات سے گزرنا ضروری ہے؟ ایک نوعمر لڑکے نے جھنجھلاتے ہوئے سوال کیا۔ ایک سائنسدان اپنی تجربہ گاہ میں تتلی کے لاروے پر تجربات کر رہا تھا لاروا تتلی بننے کے آخری مراحل میں تھا۔ سائنسدان نے دیکھا کہ لاروے میں ایک سوراخ بن گیا ہے۔ یہ خول اتنا چھوٹا تھا کہ تتلی کیلئے اس سے باہر نکلنا ناممکن تھا لیکن اس کے باوجود وہ بھرپور زور لگا کر اس سوراخ سے باہر نکلنے کی کوشش کر رہی تھی۔ سائنسدان نے سوچا کیوں نہ میں اس سوراخ کو بڑا کر دوں تاکہ تتلی بآسانی باہر آسکے۔ اس نے ایک آلہ کی مدد سے لاروے کے خول میں اتنا بڑا سوراخ کر دیا کہ تتلی آسانی سے باہر آسکتی تھی اور وہی ہوا۔ تتلی ذرا سی دیر میں بغیر کوشش کے لاروے سے باہر آگئی۔ مگر سائنسدان اس وقت شدید حیران رہ گیا جب اس نے دیکھا کہ تتلی باوجود کوشش کے پرواز نہیں کر پا رہی۔ حتیٰ کہ اس کے پر بھی پوری طرح نہیں کھل پا رہے۔ سائنسدان اس تتلی کو اپنے سینئر سائنسدان کے پاس لے گیا اور سارا ماجرا بیان کیا، اس نے سرد آہ بھری اور تاسف سے بولا۔ تم نے اپنی بے وقوفی کی وجہ سے تتلی کو ساری زندگی کیلئے معذور بنا دیا۔ جب تتلی لاروے سے باہر آنے کیلئے زور لگا رہی ہوتی ہے تو اس وقت مفید مادے اس کے پروں میں سرائیت کر جاتے ہیں انہی مادوں کی وجہ سے تتلی کے پروں میں جان آتی ہے اور وہ اڑنے کے قابل ہو جاتی ہے، تم نے اس کی مدد تو کر دی، مگر ان مفید مادوں سے اسے محروم کر دیا۔ مشکل حالات ہماری صلاحیتوں اور قابلیت کو مہمیز کرتے ہیں۔ ہماری شخصیت کے نوکدار کونوں کو گول کرتے ہیں، ہمیں نامساعد حالات میں خوبی کے ساتھ پرواز کرنا سکھاتے ہیں بطور والدین کبھی کبھی ہم اپنے بچوں کو مشکل حالات سے بچانے کی بہت زیادہ کوشش کرتے ہیں اور اس کیلئے بہت کچھ کرتے ہیں زندگی کی مشکلات اور مایوس کن حالات سے بچاتے ہیں چاہتے ہیں کہ ہم جن۔ مشکلات سے گزرے ہیں وہ ان سے نہ گزریں ہارورڈ یونیورسٹی کے ڈاکٹر کا کہنا ہے کہ جن بچوں کو مشکل حالات سے بچایا جاتا ہے بہت زیادہ آسانیاں دی جاتی ہیں ان کو زندگی میں بے پناہ دشواریوں کا سامنا رہتا ہے ان میں چیلنج حالات کا مقابلہ

کرنے کی صلاحیت کم ہو جاتی ہے وہ زیادہ۔کوشش سے کم نتائج حاصل کر پاتے ہیں ہم بچوں کو بہت زیادہ مدد کر کے...اپنے عمل سے یا دوسرے لفظوں میں غیر محسوس انداز سے یہ پیغام دے رہے ہوتے ہیں کہ تم میں صلاحیت نہیں ہے تو وہ پیغام بہت خوبی سے بچے تک پہنچ جاتا ہے اور وہ ذہن میں بٹھا لیتا ہے کہ اس میں متعلقہ کام کرنے کی صلاحیت نہیں ہیا یک ماہر نفسیات کا کہنا ہے کہ بچے کو راستہ پر چلنے کے لیے تیار کریں۔نہ کہ راستے کو بچے کے لیے تیار کیا جائے بچے کو سکھایا جائے کہ

۱۔معاشرتی اور مذہبی اقدار کے اندر رہ کر۔

۲۔دستیاب وسائل کے ساتھ مشکلات اور مسائل کو کیسے حل کرنا ہے ناں کہ ہر وقت آئیڈیل حالات اور معاشرہ کی خواہش کرتے رہنا اور دستیاب وسائل سے مسائل کو حل کرنے کی بجائے وسائل کی کمی کا رونا رونا اور بے عملی کا شکار رہنا بچوں کو مشکلات میں ڈالیں ان کو مستقبل میں ممکنہ مشکلات کے لیے تیار کریں اور پریکٹس کروائیں۔امریکہ سے اختلافات اپنی جگہ مگر امریکی نائب صدر جو بائیڈن نے اپنے عہدے کی مدت ختم ہونے سے صرف چند روز قبل انکشاف کیا ہے کہ دو سال قبل جب اس کے جواں سال بیٹے کو کینسر کے مرض نے گھیر لیا تو وہ اس کے علاج کیلئے پیسے پیسے کا محتاج ہو گیا۔اس مقصد کیلئے اس نے اپنا واحد اثاثہ جو کہ 4 ہزار سکوائر فٹ گھر تھا، اونے پونے داموں بیچنے کا فیصلہ کر لیا۔قرض وہ اس لئے نہ لے سکا کیونکہ ایک تو اس کی شرائط بہت سخت تھیں، دوسرا اس کی تنخواہ اتنی نہیں تھی کہ وہ اپنی مدت ملازمت کے بعد بھی قرض کی قسطیں ادا کر سکتا۔گھر کا سودا تقریباً ہو چکا تھا کہ صدر اوبامہ کو کسی طرح پتہ چل گیا اور اس نے اپنے ذاتی بنک اکاؤنٹ سے جو بائیڈن کی مدد کر کے اس کا گھر بیچنے سے بچا لیا۔جنوری 2015ء میں لیکن بائیڈن کا بیٹا کینسر جیسے موذی مرض کا مقابلہ نہ کر سکا اور دنیا سے چلا گیا۔حال ہی میں اوباما کی الوداعی تقریب کے دوران یہ انکشاف کرتے ہوئے جو بائیڈن آبدیدہ ہو گئے۔یہ کوئی نسیم حجازی کے ناول کی داستان نہیں بلکہ دنیا کے سب سے طاقتور ملک امریکہ کے نائب صدر کی بالکل سچی کہانی ہے۔کیا مملکت اسلامیہ پاکستان سمیت دنیا کے کسی ایک مسلمان ملک کے حکمران ایسی کسمپرسی کی زندگی گزارتے ہونگے جیسی بائیڈن کی ہے؟ چند سوالات ہیں جن کے جواب میں پاکستانیوں پر چھوڑتا ہوں: کیا امریکی نائب صدر بنکوں سے قرضہ لے کر معاف نہیں کروا سکتا تھا؟ کیا امریکی نائب صدر کا کوئی دوست میاں منشا اور ملک ریاض نہیں تھا جو اسے اربوں کی پراپرٹی بغیر کسی لالچ کے دے دیتا؟ کیا امریکی نائب صدر اتنا نکما اور بیوقوف تھا کہ وہ پانامہ میں آف شور کمپنی تک نہ بنا سکتا؟ کیا امریکی نائب صدر کا بیٹا حسن نواز سے بھی گیا گزرا اور فارغ تھا جو 16 سال کی عمر میں پارک لین جیسے مہنگے علاقے میں اربوں ڈالر کی جائیداد بنا چکا تھا؟ کیا امریکی نائب صدر کے پاس کوئی مولانا فضل الرحمان نہیں تھا جو اسے کرپشن کو حلال کرنے کے شرعی طریقے سمجھا سکتا اور اپنا حصہ بقدر جثہ وصول کر سکتا؟ کیا امریکی نائب صدر کے پاس پاکستانی حکمرانوں جیسے صوابدیدی اختیارات نہیں جن کہ تحت جب چاہے اربوں روپے کے ذاتی جہاز خرید سکیں، 35 لاکھ روپے کا ڈنر کر سکیں، سرکاری خرچ پر وزیراعظم کی تزئین و آرائش پر کروڑوں روپے خرچ کر سکیں؟ اور پھر انہی صوابدیدی اختیارات کے تحت چند کروڑ اپنی جیب میں ڈال کر اللہ تیرا شکر ہے کہہ سکیں؟ اگر اوپر پوچھے گئے سوالات کے جوابات ناں میں ہیں تو پھر پاکستانیو، ہم شرم سے ڈوب کیوں نہیں جاتے؟ کیا ہماری غیرت اتنی مر چکی ہے کہ ہم اپنے حکمرانوں کے بے غیرتیاں اپنی آنکھوں سے دیکھنے کے بعد بھی دن رات ان کے جے جے کار کرتے ہیں؟ ہمیں شرم نہیں آتی یا بے غیرتی، غلامی بن کر ہماری رگوں میں دوڑنا شروع ہو چکی ہے؟ داؤد خان**

ضمیر کا بوجھ

آپ مجبور کر رہے ہیں تو مجبوراً سچ بول ہی لیتے ہیں۔ضمیر کا بوجھ چین نہیں لینے دیتا۔کوئی ذاتی عناد شامل نہیں ہے۔کوئی سیاسی داؤ پیچ مقصود نہیں۔نہ مسلم لیگ کا کارکن ہوں اور نہ پی ٹی آئی کا۔کل تک جو کچھ مسلم لیگ کے فائدے میں جا رہا تھا اور وہ خوش تھے تو آج اگر کچھ نقصان میں جا رہا ہے تو برداشت کر لیجیے۔یہی گزارش پی ٹی آئے کے دوستوں سے ہے کہ کل تک جو کچھ لکھتا تھا، اپنی معلومات اور جمہوریت کے ساتھ وابستگی کی بنیاد پر لکھتا تھا۔آج حقیقت کا علم ہوا ہے تو وہ بھی پیش خدمت کر رہا ہوں۔اس میں کیا شک ہے کہ سپریم کورٹ پاکستان کی سب سے معتبر عدالت ہے۔سپریم کورٹ نے نہ صرف نواز شریف بلکہ ان کے پورے خاندان کے خلاف بدعنوان ہونے کا فیصلہ دے دیا۔اس کی اب لوگ جو تاویلیں کرنا چاہتے ہیں وہ کر لیں۔میں نے بھی

چھ گھنٹے قبل تاویل کی کوشش کی تھی مگر سچ جامد عمل نہیں ہے۔ مسلم لیگ نون کو شکر کرنا چاہیے کہ عدالت نے ابھی جے آئی ٹی کی پوری رپورٹ پبلک نہیں کی ورنہ شاید نواز شریف کو سر چھپانے کی جگہ نہیں ملتی۔ مشکل یہ ہے میں صاف صاف لکھ نہیں سکتا کہ دسویں جلد میں کیا لکھا ہے۔ اگر کسی دن دسویں جلد سامنے آ گئی تو آپ دیکھیں گے کہ اس میں مودی اور جنڈال سے ساز باز کے کیسے ہوش ربا قصے درج ہیں۔ نواز شریف کے کارخانوں میں سینکڑوں بھارتی کیا لینے آتے تھے؟ ہر بار جب نواز شریف مشکل میں آتے تو ملک میں بدامنی کیوں پھیل جاتی تھی؟ آپ یہ بھی دیکھیں گے اپنے ملک کے اہم ترین اداروں کے خلاف نواز شریف نے کیسے مودی کو ورغلایا۔ حد یہ ہے کہ سعودی عرب کے نئے منتخب ہونے والے پرنس کو یہ تک کہا گیا کہ راحیل شریف بہت خطرناک آدمی ہے۔ یہ آپ کا بھی تختہ الٹ سکتے ہیں اس لئے جتنی جلدی ممکن ہو ان سے جان چھڑا لیں۔ آپ یہ بھی دیکھیں گے کہ عمران خان کو تو صرف دس ارب روپے کی آفر کی گئی تھی مگر جے آئی ٹی اراکین کو اتنے پیسوں کی آفر کی گئی کہ لکھتے ہوئے جھوٹ کا خوف ہوتا ہے۔ پچاس ارب روپے۔ جی ہاں ہر ممبر کو دس دس ارب روپے۔ یہ بھی پیغام بھیجا گیا کہ ہمیں پانامہ کرپشن پر بے شک نااہل کریں مگر خدارا یہ جنڈال اور مودی کے واقعات کی دسویں جلد کسی طرح سپریم کورٹ سے باہر نہ آنے پائے۔ سب جانتے ہیں کہ عدالت نے نواز شریف کو ایک کمزور پوائنٹ پر نااہل کیا کہ دوبئی کی کمپنی سے تنخواہ (جو نواز شریف لینے سے انکاری ہے) جو آپ نے لینی تھی مگر نہیں لی اس کے باوجود آپ نے اسے اپنے اثاثوں شمار نہیں کیا اس لئے آپ نا اہل ہیں۔ مگر ٹھہریئے۔ اب جس طوفان نے آنا ہے وہ آ جائے۔ یہ خود نواز شریف نے درخواست کی تھی کہ دسویں جلد پبلک نہ کی جائے بھلے مستقل نااہل کیا جائے بس زندگی کی ضمانت دی جائے۔ شروع میں جب مسلم لیگ کی طرف سے دھمکیاں شروع ہوئیں تو آپ کو یاد ہوگا کہ ایک جسٹس صاحب نے کہا تھا کہ اگر ضروری ہوا تو ہم دسویں جلد بھی پبلک کریں گے۔ تب نواز شریف نے راتوں رات شہباز شریف، سعد رفیق اور اسحاق ڈار کو چوہدری نثار کے پاس بھیجا کہ آپ اوپر صرف یہ بات منوا لیں کہ دسویں جلد پبلک نہیں ہوگی۔ نواز شریف ساری زندگی کے لئے نااہل ہونا قبول کرتے ہیں۔ چوہدری نثار نے تیس سالہ رفاقت کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ پیغام تو اوپر پہنچا دیا مگر انہیں اتنا بڑا صدمہ ہوا کہ انہوں نے سیاست سے ہی کنارہ کشی کا اعلان کر دیا۔ یہ طے ہے کہ شریف خاندان کا سورج پاکستان میں مستقل غروب ہو چکا ہے۔ جے آئی ٹی رپورٹ کی دسویں جلد کی تفصیلات اتنی شرمناک ہیں کہ اگر میں شیئر کر سکتا تو آپ رونگٹے کھڑے ہو جاتے۔ لاعلمی کی بنیاد پر میں جمہوریت کی جنگ سمجھتے ہوئے نواز شریف کے ساتھ کھڑا تھا مگر تفصیل جاننے کے بعد شرمندہ ہوں۔ امید ہے جن دوستوں کی دل آزادی ہوئی ہے وہ درگزر فرمائیں گے۔

سی سی ٹی وی کیمرے اور انٹیلی جنس ادارے

جن معصوموں کو لگتا ہے کہ سی سی ٹی وی کیمروں کی فوٹیج سے آئی ایس آئی کو کوئی فرق پڑتا ہے اور وہ ان سے گھبرا کر بندے چھوڑ دیتی ہے ان کی آنکھیں کھولنے کے لئے ایک واقعہ پیش خدمت ہے۔ 2008ء کے بعد سی آئی اے اور ایم آئی سکس نے یہ کوششیں شروع کر دی تھیں کہ کسی طرح آئی ایس آئی کو بائی پاس کر کے طالبان سے براہ راست اعلیٰ سطحی رابطہ قائم کر کے ان کے ساتھ انخلاء کے معاملات طے کر لئے جائیں۔ پہلی کوشش میں تو انہیں وہ کوئٹہ وال دوکاندار پھدو بنا گیا جو طالبان کمانڈر ربن کران سے ملا اور ملینز آف ڈالرز لے کر غائب ہو گیا۔ کیا وہ واقعی کوئٹہ کا کوئی دکاندار ہی تھا؟ اس بات کو یہیں چھوڑ دیتے ہیں۔ طالبان تک براہ راست رسائی کی دوسری کوشش میں یہ ملا برادر سے رابطے میں کامیاب ہو گئے۔ کھٹمنڈو میں ملا برادر کے ساتھ پہلی تفصیلی بات چیت فرما کر سی آئی اے حکام اور ملا برادر واپس ہوئے تو آئی ایس آئی نے ملا برادر کو اٹھا کو اٹھا لیا۔ امریکی بڑے سیخ پا ہوئے۔ کیونکہ وہ سمجھ گئے کہ کھیل بگڑ گیا۔ دو چار روز بعد افغانستان اور پاکستان کے لئے امریکہ کے خصوصی ایلچی رچرڈ ہالبروک بڑے جلال کے ساتھ پاکستان پہنچے۔ اسلام آباد ایئرپورٹ پر ڈی جی آئی ایس آئی کو چک شہزاد کی ایک کوٹھی کی سیٹلائٹ پکچرز دکھاتے ہوئے رچرڈ ہالبروک نے کہا، میری صدر زرداری سے ملاقات کے دوران مجھے یہ اطلاع مل جانی چاہئے کہ آپ نے ملا برادر ہمیں لوٹا دیا ہے۔ اگر یہ اطلاع نہ ملی تو یہ تصاویر ایک گھنٹے بعد عالمی میڈیا پر اس بریکنگ نیوز کے ساتھ نشر ہوں گی کہ پاکستان اور طالبان گٹھ جوڑ کے ناقابل تردید ثبوت مل گئے

ہیں۔اوراس کے بعد ہم عالمی برادری کی مدد سے آپ کا وہ حال کریں گے کہ عبرت کی مثال بنادیں گے۔

کہا جاتا ہے کہ ان تصاویر میں ملابرادر چک شہزاد کی کسی کوٹھی کے لان میں آئی ایس آئی کے افسران کے ساتھ شام کی چائے نوش فرما رہے تھے۔ اب اگر غور کیجئے تو صورتحال انتہائی دھماکہ خیز تھی۔ گھنٹے بعد پاکستان اپنی تاریخ کے سب سے بڑے بحران سے دوچار ہونے کو تھا۔

ہونا یہ چاہئے تھا کہ ڈی جی آئی ایس آئی کے ہاتھ پیر پھول جاتے اور وہ ہالبروک کے آگے لمبا لیٹ جاتا۔لیکن ایسا نہیں ہوا بلکہ ہالبروک کو پرسکون لہجے میں جواب ملا اوکے سر! آپ صدر زرداری سے ملیں اسی دوران آپ تک ملا برادر کی اطلاع پہنچ جائے گی۔اور ہالبروک فاتحانہ مسکراہٹ کے ساتھ صدر زرداری سے ملاقات کو روانہ ہوگیا۔ اس ملاقات کے دوران اس کے چیف آف سٹاف کو ایک کال موصول ہوئی، جسے سنتے ہی اس نے ہالبروک کے کان میں سرگوشی کرتے ہوئے اطلاع دی،سر! پاکستانی میڈیا پر بریکنگ نیوز چل رہی ہے کہ پاکستانی حکام دعوی کر رہے ہیں کہ انہوں نے طالبان کمانڈر انچیف ملا برادر کو گرفتار کرلیا ہے جو دہشت گردی کے خلاف جنگ میں ابتک کی سب سے بڑی کامیابی ہے۔دروغ برگردن راوی مگر کہا یہی جاتا ہے کہ ہالبروک کا سانس اس کے گلے میں اٹک گیا اور اس نے بمشکل تمام صدر زرداری سے کہا، مے آئی ہیو آ گلاس آف واٹر اور اسی شرمندگی سے گھل کر ہالبروک بہت جلد آنجہانی ہوا۔اب اتنا تو آپ کو بھی پتہ ہوگا کہ اگلے آٹھ سال آئی ایس آئی نے ملا برادر کو اپنی تحویل میں ’’لا پتہ رکھا، اور امریکہ آٹھ سال تک پاکستان کی منتیں کر کر کے عاجز آ گیا کہ اس لا پتہ کو رہا کرو، کیا رہا پاکستان نے؟ کیا مگر تب جب امریکہ کی گردن اپنے شکنجے میں لے کر اس سے اقرار کروا لیا کہ آئی ایس آئی کو بائی پس کر کے تمہارا باپ بھی یہاں سے نہیں نکل سکتا۔سو پیارے بچو! سوشل میڈیا پر سی ٹی وی والی شرلیاں چھوڑنے کے بجائے دو چار مستند کتابوں کا مطالعہ کر کے یہ سمجھ لیجئے کہ انٹیلی جنس ادارے ہوتے کیا ہیں؟ آپریٹ کیسے کرتے ہیں؟ اور شطرنج کی عالمی بساط پر امریکہ جیسی سپر طاقت کی ناک رگڑوا کر اسے قطر کے اس حال تک کیسے پہنچاتے ہیں جہاں یہ پوری دنیا کے سامنے دہشت گردوں سے سمجھوتہ کرتے نظر آتے ہیں۔

***

لفظوں کی مصورہ۔شفیق مراد جرمنی

عقیلہ حق کہنہ مشق نثر نگار ہیں اور ادبی دنیا میں اپنا نام اور مقام رکھتی ہیں۔ان کے دو افسانوں کے مجموعے اور ایک ناول گلستانِ ادب میں تازا ہوا کے جھونکوں کی مانند ہیں۔زیر نظر ناول، جو کہ تین ناولٹ کا مجموعہ ہے ان کے تخیل کی پرواز کا اگلا پڑاوَ ہے۔ان کی تحریریں افسانوں کی شکل میں ہو یا ناولٹ کی شکل میں ہوں۔ایک طرف تو معاشرتی بے اعتدالیوں اور معاشی بدحالی یا معاشی خوشحالی سے جنم لینے والے مسائل اور انسانوں کے بدلتے ہوئے رویوں کی ترجمانی کرتی ہیں تو دوسری جانب گھریلو زندگی اور ایک گھر میں رہتے ہوئے افراد کے باہمی تعلقات کے حسن اور بدصورتیوں،تلخیوں اور محبتوں کے رنگ پیش کرتی ہیں۔جن میں کبھی شگفتہ قہقہی ساعت میں رس گھولتے ہیں تو کبھی اضطرار کی بجلیاں آنکھوں کو بصیرت سے محروم کرتی ہیں کبھی مسرت اور شادمانی کے گیت نوحوں میں تبدیل ہو کر انسان کو حقیقت کی دنیا میں لے جاتے ہیں جہاں ملمع سازی اور خود فریبی نہیں،حقائق ہیں اور وہ بھی تلخ حقائق۔ان کی تحریروں میں کہیں دوپہر کی چلچلاتی دھوپ ہے تو کہیں شام کے دھندلکے بھی ہیں غرض زندگی کے سبھی رنگ،مزاجوں کے سبھی موسم اور انسانی رویوں کے کئی پہلو ان کی تحریروں میں ملتے ہیں۔عقیلہ اس بات پر یقین رکھتی ہیں کہ زندگی میں بیشتر مسائل انسانوں کے بدلتے ہوئے رویوں اور عرفانِ نفس سے دوری کا نتیجہ ہیں۔اگر یہ رویئے منفی ہوں تو جسم و جان میں کس طرح زہر گھولتے ہیں اور اگر مثبت ہوں تو سمندر کی بیکراں وسعتیں محبوب کی محبت کے سامنے کس طرح ماند پڑ جاتی ہیں۔انسان جب محور سے ہٹتا ہے تو انجان منزلوں کے تعاقب میں اپنا آپ گنوا بیٹھتا ہے اپنی پہچان کھو دیتا ہے کسی ایسے پرندے کی مانند جس کا نہ کوئی ٹھکانہ ہو نہ آشیانہ۔نفسانی خواہشات اسے ایسی وادی میں لے جاتی ہیں جہاں وہ اپنی مرضی کے بت تراش لیتا ہے اور لاشعوری طور پر ان کی پوجا کرتا ہے۔انا، ریاکاری طمع و لالچ کے یہ بت اس کی انکھوں پر فریب کی پٹی باندھ کر اسے بصیرت سے محروم کر دیتے ہیں لیکن کب تک،کبھی حالات کی تلخیاں، زمانے کی ٹھوکریں، گردشِ زمان و مکان اس کو اس کا اصلی چہرہ دکھاتے ہیں تو وہ خمار ذات سے نکل کر عرفان ذات کی جانب

قدم بڑھاتا ہے اور شکستہ دل کے ساتھ بارگاہ ایزدی میں جھکتا ہے۔اپنی ذات کی تکمیل چاہتا ہے تو اس کا ضمیر اسے ملامت کرتے ہوئے کہتا ہے تیرا خدا کوئی اور ہے،عقیلہ حق نے کس عمدگی کے ساتھ عرفان ذات اور انسان کا اس کے خالقِ حقیقی سے تعلق کے مضمون کا حق ادا کیا ہے ”کس سے شکایت کر رہی ہے......کس کو پکار رہی ہے......تیرا خدا کوئی اور ہے۔پہلے فیصلہ کر تیرا رب کون ہے اور جب تجھ کو تیرے رب کا پتہ مل جائے تو پھر مانگنا......ڈھونڈ خدا کو ڈھونڈ' رب کو تلاش کر۔تجھے پتہ ہے تیرا خدا کون ہے؟“ یہاں ان کا رویہ قدرے سخت اور فیصلہ کن ہوجاتا ہے وہ اصلاح کے مقاصد کے حصول کے لیے کبھی ماہر نفسیات کا کردار ادا کرتی ہیں تو کبھی مذہبی مصلح کا۔غرض انکی تحریروں میں اصلاح کا پہلو نمایاں ہے تاہم وہ اپنی تحریر کو اردو ادب کے روایتی معیار سے ادھر ادھر نہیں جانے دیتیں اور ادب پارہ ادب پارہ ہی رہتا ہے۔فنی بناو سنگھار اور فنی چابکدستی بھی قائم رہتی ہے۔ہر کردار اپنی حیثیت برقرار رکھتا ہے بلکہ موزونیت کے باعث ابھر کر سامنے آتا ہے اور قاری خود کو کہانی کا کردار سمجھتے ہوئے اختتام تک ناولٹ میں محو رہتا ہے ان کی تحریریں ان کے لفظوں پر گرفت کی آئینہ دار ہیں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ان کے پاس کافی ذخیرہ الفاظ موجود ہے تاہم وہ سادہ انداز بیان اپنانے اور عام فہم الفاظ زیب قرطاس کرنے کو ترجیح دیتی ہیں تا کہ قاری کی توجہ برقرار رہے بس اوقات ان کی الفاظ پر دسترس کافی نمایاں ہوکر سامنے آتی ہے لفظوں کے نگینوں کو اس طرح تحریر میں جڑتی ہیں کہ قاری محو حیرت ہوجاتا ہے۔لفظوں کی مصورہ کا یہ نثر پارہ ملاحظہ ہو،صراحی دار گردن میں سجا ہیرے کا نیکلس......کانوں میں جھولتے ڈائمنڈ کے ائیرنگ......خوبصورت بالوں کا گردن پر ڈھلکا ہوا بڑا سا جوڑا......ہاتھوں میں شعاعیں مارتی ڈائمنڈ کی بریسلٹ ،مخروطی انگلیوں میں سجی ہوئی قیمتی ڈائمنڈ کی انگوٹھیاں،وہ اس وقت قلوپطرہ کو مات دے رہی تھی......اُس کو دیکھ کر کوئی یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ دو بچوں کی ماں ہے......اُس کا خوبصورت فیگر اور کسا ہوا بدن اُس کو ان چھوا ثابت کرنے کی کوشش کر رہا تھا......اور وہ اپنی کوشش میں کامیاب تھا......اُس نے ایک شانِ تفاخر سے آئینے میں نظر آتے اپنے عکس کو دیکھا......وہ حسین تھی......اُس کو حسین نظر آنا آتا تھا......پھر ڈریسنگ ٹیبل پر سجی بہت ساری پرفیوم کی بوتلوں میں سے اس نے اپنی پسند کی بوتل اٹھا کر تقریباً ساری اپنے اوپر انڈیل لی......تحریر پڑھتے ہوئے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کردار کاغذ سے نکل کر محسوسات کے سٹیج پر رقص کناں ہوجائے گا۔اور اسے چھو کر محسوس بھی کیا جا سکے گا۔ان کی تحریروں میں یاسیت نہیں بلکہ زندگی کا پیغام ملتا ہے جو پیہم رواں دواں ہے۔تیرا خدا کوئی اور ہے کے سبھی ناولٹ ایسے شاہکار ہیں جوان کے وسیع مطالعہ،مشاہدہ،تجربہ پر دلالت کرتے ہیں۔نفسیاتی تجزیہ کاری، معاشرتی سمجھ بوجھ اور زبان و بیان پر قدرت انکی تحریروں میں نمایاں ہے تیرا خدا کوئی اور ہے کی اشاعت پر دل کی گہرائیوں سے مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ اور میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے علم کو بڑھائے اور قلم کی طاقت میں اضافہ کرے۔آمین

اعجاز اعوان کے قلم کا خوبصورت اعجاز

سولہویں صدی تک یورپ میں یہ حال تھا کہ عوام کو پابند رکھنے کیلئے مذہبی رہنماؤں نے کئی قسم کے قوانین بنا رکھے تھے جن کے تحت شہریوں کو سخت سزائیں دی جاتی تھیں۔اگر کوئی شہری کسی پر بے دین،ملحد یا کوئی اور الزام لگاتا تو اس کو سخت ترین سزائیں دی جاتیں۔حتیٰ کہ اگر کسی مُردے کے بارے میں علم ہوتا کہ وہ بے دین تھا تو اس کو بعد از مرگ بھی سزا کا موجب سمجھا جاتا۔

مذہبی رہنما اتنے طاقتور ہو چکے تھے کہ انہوں نے جرمنی کے بادشاہ ہنری ہفتم کو بھی ”کافر“ قرار دے دیا اور اسے بادشاہت سے معزول کر دیا گیا۔وہ پوپ سے معافی مانگنے گیا تو تین دن تک پوپ اس سے نہیں ملا۔اسی طرح پوپ لوئی ہفتم سے ناراض ہوا تو اسے بھی ”کافر“ قرار دے دیا جسے ایک ہزار پاؤنڈ سالانہ پوپ کو پیش کرنے کی شرط پر بحال کیا گیا مذہبی پیشواؤں کے حکم پر چار لاکھ کے قریب شہریوں کو بہیمانہ انداز میں قتل کیا گیا۔ ان کے جرائم بہت معمولی تھے۔کسی کا کسی سے کوئی جھگڑا ہوا تو اس نے مذہبی پیشوا کو بتایا کہ یہ شخص لا دین ہوگیا ہے تو اس کو سزا دی جاتی۔سولہویں صدی میں مارٹن لوتھر نے مذہبی پیشواؤں سے نجات کی تحریک چلائی جس کو لوگوں نے پذیرائی بخشی اور سو سال میں ہی یورپ تنگ نظری کے اس دور سے آزاد ہوگیا۔دلچسپ بات یہ ہے کہ ہم پاکستانی اس کے اُلٹ چل رہے ہیں۔

1947ء میں قائم ہونے والا پاکستان اتنا آزاد خیال تھا کہ یہاں تمام مذاہب کے لوگوں کو اپنی مذہبی رسومات و عبادات کی مکمل آزادی حاصل تھی۔

بانی پاکستان کی پہلی کابینہ میں چھ غیر مسلم وزیر تھے۔ پھر ارباب اختیار نے دین خطرے میں ہے کا نعرہ لگایا اور شہری آزادیاں سلب کرنا شروع کر دیں۔ 70ء کی دہائی سے مذہبی تنگ نظری کو فروغ ملنا شروع ہوا۔ متعصب علماء کو اتنے فنڈز ملے کہ وہ سائیکل سے پجارو پر سفر کرنے لگے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ پاکستان کے طول وعرض میں قتل و غارتگری شروع ہو گئے ملک کافر کافر کے نعروں سے گونج اٹھا۔ ہزاروں قیمتی جانیں چلی گئیں۔ ان سربراہان کے جانے سے یہ سلسلہ رکا نہیں بلکہ مزید آگے بڑھا۔ اور آج یہ عالم ہے کہ حکومت ایسے قانون پاس کر رہی ہے جن کے مطابق پاکستانی شہریوں کو پابند کیا گیا ہے کہ وہ کس شخصیت کے نام کے ساتھ کیا لکھیں گے اور کیا نہیں لکھیں گے۔ جس دین اسلام کی تعلیمات پر کروڑوں پاکستانی اپنی مرضی ومنشاء کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ اور اللہ کے پیغام کو سمجھ کر اس پر عمل کرتے ہیں۔ اب اس پر عمل کروانیکا کام حکومت نے اپنے ذمہ لے لیا ہے۔ جو جس عقیدے پر قائم ہے وہ اسی پر قائم رہے گا۔ بدلاؤ مگر یہ آئے گا کہ اب کسی پر کوئی بھی الزام لگانا آسان ہو جائے گا۔ سولہویں صدی میں جو سورج یورپ میں ڈوب گیا تھا اب پاکستان میں طلوع ہونے جا رہا ہے۔ علامہ اقبال کا کیا ہی خوب صورت شعر ہے۔

”زباں“ سے کہہ بھی دیا لاالہ تو کیا حاصل
دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

چپ

تمثیلہ لطیف

وہ آنکھیں پھاڑے، دم سادے دیکھے جا رہا تھا۔ وبا نے ملکوں کے ملک ویران کر دیئے تھے۔ وہ شاہراہیں جن پر چند دن پہلے گاڑیوں کا اژدھام تھا اب جنگلی جانوروں کا راج تھا۔ انسان اب انسانوں سے گریزاں تھے۔ نفسا نفسی کے عالم میں اسے پتہ چلا کہ وہ جو خدا کو بھی نہیں مانتے تھے انہوں نے اپنے ہم وطنوں کے لئے خزانوں کے منہ کھول دیئے تھے۔ اس وقت وہ گھر میں اکیلا بیٹھا تھا۔ سچن ٹنڈولکر نے پچاس لاکھ روپے دیئے تھے۔ دشمن ملک کے بزنس ٹائیکونز نے کروڑوں روپے عطیہ کر دیئے تھے کھلاڑیوں، گلوکاروں؛ تاجروں ہر طرح کے امیر لوگوں نے کروڑوں روپے حکومت کو دیے تاکہ ان کے لوگوں کا علاج ہو سکے اور اس مہلک مرض کے خلاف جنگ وہ جیت سکیں۔ اس کا دھیان اپنے ملک کے سیاستدانوں اور بڑے لوگوں کی طرف چلا گیا۔ یہاں تو لوگوں سے چندہ وصول کیا جا رہا تھا۔ یہاں تو الزام تراشی کی سیاست عروج پر تھی۔ ایک دوسرے کے خلاف اس وائرس کو ملک میں لانے کا الزام دھرا جا رہا تھا۔ وہ خاموشی کی ردا اوڑھے چپ چاپ ٹی وی سکرین پر نگاہیں جمائے بیٹھا جہاں اینکر اس وقت مباحثہ کے شرکا سے سوال پوچھ رہا تھا۔ اس کے سامنے پانچ لوگ بیٹھے تھے۔

ایک حکومتی پارٹی کا وزیر، دو اپوزیشن رہنما اور دو مذہبی جماعتوں کے رہنما۔ سوال تھا۔ وہ جو غیر مسلم ہیں وہ جو خدا کو بھی نہیں مانتے انہوں نے اپنی عوام کے لیے اپنی طرف سے کروڑوں روپے دیئے آپ لوگوں کی جماعت اور مذہب کا پرچار کرنے والوں نے کیا کیا؟ کچھ دیر خاموشی رہی پھر ایک سیاست دان گویا ہوا۔ اس ملک کے مندروں میں کروڑوں روپے اور سونا دان ہوتا ہے وہاں کے پنڈتوں نے تو ایک روپیہ تک نہ دیا۔

اینکر نے کہا۔ پنڈتوں کو چھوڑیں باقی تو وہاں لوگوں نے کروڑوں دیئے۔ آپ جو ایک خدا کو مانتے ہیں جو اس نبی کے پیروکار ہیں جنھوں نے مانگنے پر بکریوں کا ریوڑ تک بخش دیا تھا آپ نے مصیبت کی اس گھڑی میں کیا عمل کیا؟ اینکر کے ساتھ ساتھ وہ بھی باری باری ان پانچوں کے چہرے دیکھ رہا تھا ایک مذہبی رہنما اور ایک سیاست دان جن کی باتوں کا وہ گرویدہ تھا وہاں موجود تھے۔ ان سب کے چہروں پر چپ کا راج تھا۔ بت ٹوٹتے جا رہے تھے۔ ہر طرف گہری خاموشی تھی۔

تنگ آچکے ہیں کشمکش زندگی سے ہم
ٹھکرا نہ دیں جہاں کو کہیں بے دلی سے ہم
مایوسیٔ مآل محبت نہ پوچھیے
اپنوں سے پیش آئے ہیں بیگانگی سے ہم
لو آج ہم نے توڑ دیا رشتۂ امید
لو اب کبھی گلہ نہ کریں گے کسی سے ہم
اُبھریں گے ایک بار ابھی دل کے ولولے
گو دب گئے ہیں بار غم زندگی سے ہم
گر زندگی میں مل گئے پھر اتفاق سے
پوچھیں گے اپنا حال تری بے بسی سے ہم
اللہ رے فریب مشیت کہ آج تک
دنیا کے ظلم سہتے رہے خامشی سے ہم

پرکھ

رجل خوشاب

ایک بادشاہ نے اپنے بہنوئی کی سفارش پر ایک شخص کو موسمیات کا وزیر لگا دیا۔ ایک روز بادشاہ شکار پر جانے لگا تو روانگی سے قبل اپنے وزیرِ موسمیات سے موسم کا حال پوچھا۔ وزیر نے کہا کہ موسم بہت اچھا ہے اور اگلے کئی روز تک اسی طرح رہے گا۔ بارش وغیرہ کا قطعاً کوئی امکان نہیں۔ بادشاہ مطمئن ہو کر اپنے لاؤلشکر کے ساتھ شکار پر روانہ ہو گیا۔ راستے میں بادشاہ کو ایک کمہار ملا۔ اس نے کہا حضور! آپ کا اقبال بلند ہو آپ اس موسم میں کہاں جا رہے ہیں؟ بادشاہ نے کہا شکار پر۔ کمہار کہنے لگا' حضور! موسم کچھ ہی دیر بعد خراب ہونے اور بارش کے امکانات بہت زیادہ ہیں۔ بادشاہ نے کہا' ابے او برتن بنا کر گدھے پر لادنے والے' تو کیا جانے موسم کیا ہے؟ میرے وزیر نے بتایا ہے کہ موسم نہایت خوشگوار ہے اور شکار کے لیے بہت موزوں اور تم کہہ رہے ہو کہ بارش ہونے والی ہے؟ پھر بادشاہ نے ایک مصاحب کو حکم دیا کہ اس بے پر کی چھوڑنے والے کمہار کو دو جوتے مارے جائیں۔ بادشاہ کے حکم پر فوری عمل ہوا اور کمہار کو دو جوتے نقد مار کر بادشاہ شکار کے لیے جنگل میں داخل ہو گیا۔ ابھی تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ گھٹا ٹوپ بادل چھا گئے۔ ایک آدھ گھنٹہ بعد گرج چمک شروع ہوئی اور پھر بارش۔ بارش بھی ایسی کہ خدا کی پناہ۔ ہر طرف کیچڑ اور دلدل بن گئی۔ بادشاہ اور مصاحب کو سارا شکار بھول گیا۔ جنگل پانی سے جل تھل ہو گیا۔ ایسے میں خاک شکار ہوتا۔ بادشاہ نے واپسی کا سفر شروع کیا اور برے حالوں میں واپس محل پہنچا۔ واپس آ کر اس نے دو کام کئے۔ پہلا یہ کہ وزیرِ موسمیات کو برطرف کیا اور دوسرا یہ کہ کمہار کو دربار میں طلب کیا، اسے انعامات سے نوازا اور وزیرِ موسمیات بننے کی پیشکش کی۔ کمہار ہاتھ جوڑ کر کہنے لگا' حضور! کہاں میں جاہل اور ان پڑھ شخص اور کہاں سلطنت کی وزارت۔ مجھے تو صرف برتن بنا کر بھٹی میں پکانے اور گدھے پر لاد کر بازار میں فروخت کرنے کے علاوہ کوئی کام نہیں آتا۔ مجھے موسم کا رتی برابر پتہ نہیں۔ ہاں البتہ یہ ہے کہ جب میرا گدھا اپنے کان ڈھیلے کر کے نیچے لٹکائے تو اس کا مطلب ہے کہ بارش ضرور ہو گی۔ یہ میرا تجربہ ہے اور کبھی بھی میرے گدھے کی یہ پیش گوئی غلط ثابت نہیں ہوئی۔ یہ سن کر بادشاہ نے تاریخی فیصلہ سناتے ہوئے کمہار کے گدھے کو اپنا وزیرِ موسمیات مقرر کر دیا۔ مؤرخ کا کہنا ہے کہ گدھوں کو وزیر بنانے کی ابتدا تب سے ہوئی۔۔!!

جستہ جستہ

عطاء القادر طاہر

لطائف

بیوی: میں ذرا میکے جانا چاہتی ہوں۔

خاوند: اللہ کی امان ہو، سب کو میرا اسلام کہنا۔

بیوی: تم تو مجھ سے جان ہی چھڑانے کیلئے بیٹھے ہوتے ہو۔

خاوند: لا حول ولا قوۃ الا باللہ

بیوی: میں ذرا میکے جانا چاہتی ہوں۔

خاوند: آج ادھر ہی رہو میرے ساتھ، کسی اور دن چلی جانا۔

بیوی: تم تو بس مجھے ہر وقت اسی گھر میں قید ہی رکھنا چاہتے ہو۔

خاوند: لا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

بیوی: میں ذرا میکے جانا چاہتی ہوں۔

خاوند: جیسے تمہیں اچھا لگے۔

بیوی: تو گویا میرا ہونا نہ ہونا تمارے لیئے ایک برابر ہے۔ میری تو کوئی اہمیت ہی نہیں ہے اس گھر میں۔

خاوند: لا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

بیوی: میں ذرا میکے جانا چاہتی ہوں۔

خاوند: کہو تو میں بھی تمہارے ساتھ چلوں؟

بیوی: یعنی میں میکے اسلئے جا رہی ہوں کہ میری آپ سے وہاں پر ملاقات طے ہے؟ مجھے کچھ آرام چاہیئے، اس لئے اُدھر جا رہی ہوں۔

خاوند: لا حول ولا قوۃ الا باللہ۔ ہر علم، ہر عالم، بشر، جن، بھوت، نباتات اور ساری جمادات ابھی تک کوئی ایسا جواب ڈھونڈنے سے قاصر ہیں جس سے ''بیوی'' راضی ہو جائے۔

لطائف

ایک بڑی کنسٹرکشن کمپنی کو پاکستان پہاڑی علاقوں میں سڑک بنانے کا ٹھیکہ مل گیا... انھوں نے نقشے بنانے شروع کئے۔ سروے کے دوران ایک پاکستانی ٹھیکیدار کو یہ سب سمجھ نہ آیا۔ اعتراض اٹھانے پر انھوں نے پوچھا کہ آپ لوگ پہاڑی علاقے میں سڑک کا نقشہ کیسے ترتیب دیتے ہیں؟ اس پر

پاکستانی ٹھیکیدار نے کہا کہ ہم کھوتے پہ چونے کی بوری سوراخ کر کے لاد دیتے ، ہیں اور کھوتے کو پہاڑ پہ چھوڑ دیتے ہیں، کھوتا جس راستے سے اوپر نیچے جاتا ہے وہاں چونے کہ نشان سے ہمیں پتہ چل جاتا ھے کہ یہ بہتر راستہ ہے، اور پھر وہیں پر سڑک بنانا شروع کر دیتے ہیں۔ وہ غیر ملکی بڑا پریشان ہوا اور پوچھا کہ" آپ کہ ہاں سڑکیں سول انجینئرز نہیں بناتے؟ ''...تو ٹھیکیدار نے ہنس کر کہا'' جہاں کھوتا میسر نہ ہو وھاں انجینئرز ہی بناتے ہیں''

امریکہ کے لیڈر

امریکہ سے اختلافات اپنی جگہ مگر امریکی نائب صدر جو بائیڈن نے اپنے عہدے کی مدت ختم ہونے سے صرف چند روز قبل انکشاف کیا ہے کہ دو سال قبل جب اس کے جواں سال بیٹے کو کینسر کے مرض نے گھیر لیا تو وہ اس کے علاج کیلئے پیسے پیسے کا محتاج ہو گیا۔ اس مقصد کیلئے اس نے اپنا واحد اثاثہ جو کہ 4 ہزار سکوائر فٹ گھر تھا، اونے پونے داموں بیچنے کا فیصلہ کر لیا۔ قرض وہ اس لئے نہ لے سکا کیونکہ ایک تو اس کی شرائط بہت سخت تھیں۔ دوسرا اس کی تنخواہ اتنی نہیں تھی کہ وہ اپنی مدت ملازمت کے بعد بھی قرض کی قسطیں ادا کر سکتا۔ گھر کا سودا تقریباً ہو چکا تھا کہ صدر اوبامہ کو کسی طرح پتہ چل گیا اور اس نے اپنے ذاتی بنک اکاؤنٹ سے جو بائیڈن کی مدد کر کے اس کا گھر بیچنے سے بچا لیا۔ جنوری 2015ء میں لیکن بائیڈن کا بیٹا کینسر جیسے موذی مرض کا مقابلہ نہ کر سکا اور دنیا سے چلا گیا۔ حال ہی میں اوباما کی الوداعی تقریب کے دوران یہ انکشاف کرتے ہوئے جو بائیڈن آبدیدہ ہو گئے. یہ کوئی نسیم حجازی کے ناول کی داستان نہیں بلکہ دنیا کے سب سے طاقتور ملک امریکہ کے نائب صدر کی بالکل سچی کہانی ہے۔ کیا مملکت اسلامیہ پاکستان سمیت دنیا کے کسی ایک مسلمان ملک کے حکمران ایسی کسمپرسی کی زندگی گزارتے ہونگے جیسی بائیڈن کی ہے؟ چند سوالات ہیں جن کے جواب میں پاکستانیوں پر چھوڑتا ہوں: کیا امریکی نائب صدر بنکوں سے قرضہ لے کر معاف نہیں کروا سکتا تھا؟ کیا امریکی نائب صدر کا کوئی دوست میاں منشا اور ملک ریاض نہیں تھا جو اسے اربوں کی پراپرٹی بغیر کسی لالچ کے دے دیتا؟ کیا امریکی نائب صدر اتنا نکما اور بیوقوف تھا کہ وہ پاناما میں آف شور کمپنی تک نہ بنا سکتا؟ کیا امریکی نائب صدر کا بیٹا حسن نواز سے بھی گیا گزرا اور فارغ تھا جو 16 سال کی عمر میں پارک لین جیسے مہنگے علاقے میں اربوں ڈالر کی جائیداد بنا چکا تھا؟ کیا امریکی نائب صدر کے پاس کوئی مولانا فضل الرحمان نہیں تھا جو اسے کرپشن کو حلال کرنے کے شرعی طریقے سمجھا سکتا اور اپنا حصہ بقدر جثہ وصول کر سکتا؟ کیا امریکی نائب صدر کے ہاس پاکستانی حکمرانوں جیسے صوابدیدی اختیارات نہیں جن کہ تحت جب چاہے اربوں روپے کے ذاتی جہاز خرید سکیں، 35 لاکھ روپے کا ڈنر کر سکیں، سرکاری خرچ پر وزیر اعظم کی تزئین و آرائش پر کروڑوں روپے خرچ کر سکیں؟ اور پھر انہی صوابدیدی اختیارات کے تحت چند کروڑ اپنی جیب میں ڈال کر اللہ تیرا شکر ہے کہہ سکیں؟ اگر اوپر پوچھے گئے سوالات کے جوابات ناں میں ہیں تو پھر پاکستانیو، ہم شرم سے ڈوب کیوں نہیں جاتے؟ کیا ھماری غیرت اتنی مر چکی ہے کہ ہم اپنے حکمرانوں کے بے غیرتیاں اپنی آنکھوں سے دیکھنے کے بعد بھی دن رات ان کے جے جے کار کرتے ھیں؟ ہمیں شرم نہیں آتی یا بے غیرتی، غلامی بن کر ھماری رگوں میں دوڑنا شروع ہو چکی ہے؟ داؤد خان

اعجاز درانی اداکار، ڈاکو یا اسمگلر کہ ایک بدنام مسلم

فلم ''ہیر رانجھا'' میں رانجھا بننے والے اعجاز، ملکہ ترنم نور جہاں کے شوہر تھے. نور جہاں کی زندگی میں جتنے بھی مرد آئے اور گئے، انہوں نے کسی کی پرواہ نہیں کی، آنسو بہائے تو صرف اعجاز کیلئے اعجاز نے خود بھی بہت کمایا، نور جہاں کا سب کچھ بھی انہی کا تھا۔ پھر ایک اور اداکارہ سے عشق ہوا، وہ بھی ایک پوری مارکیٹ کی مالک تھی اور سب کچھ اعجاز پر نچھاور کرنے کیلئے تیار تھی. اس سب کچھ کے ہوتے ہوئے ایک دن اعجاز برطانوی ایئرپورٹ پر پکڑے گئے۔ انہوں نے فلم کے خالی ڈبوں میں چرس چھپا رکھی تھی. 3 مارچ 1978 کو 5 سال قید اور 25 ہزار پونڈ جرمانے کی سزا ہوئی ملکہ ترنم بچیوں کو ساتھ لے کر ملنے جاتی رہیں۔ لاہور میں چیئرنگ کراس (دی مال) پر اسمبلی ہال کے سامنے بہت بڑی بلڈنگ ہے...شاہ دین منزل.... معلوم نہیں جسٹس شاہ دین ہمایوں نے خود بنوائی یا ان کے صاحبزادے میاں بشیر احمد نے، جنہوں نے والد کی یاد میں رسالہ ''ہمایوں'' بھی نکالا تھا. انہی میاں بشیر احمد نے 23 مارچ 1940 کو لاہور میں ہونے والے مسلم لیگ کے تاریخی جلسے میں قائد اعظم کے سامنے اپنی مشہور نظم ''ملت کا پاسباں ہے محمد علی جناح'' پڑھی تھی۔ اس بلڈنگ کے علاوہ بھی باغبان پورہ اور لاہور کے دوسرے علاقوں میں ان کی بے شمار جائیداد تھی، اور بہت زیادہ عزت بھی. ان

کے صاحبزادے میاں منظر بشیران کے وارث تھے۔ کچھ نہ کر کے بھی ان کی کئی پشتیں گھر بیٹھ کر کھا سکتی تھیں۔ فراغت ہی فراغت تھی، اس لیے سیاست میں بھی ٹانگ اڑاتے تھے''جسٹس پارٹی'' بھی بنا ڈالی۔ ہر لاہوری بلکہ ہر اخبار بین ان کے نام سے واقف تھا۔ ایک دن خبر آئی کہ لندن کے ایر پورٹ پر منشیات سمیت پکڑے گئے۔ جن دونوں اصحاب کا ذکر کیا ہے، ظاہر ہے برطانیہ کی حکومت یا پولیس کی ان سے کوئی مخاصمت بھی نہیں تھی۔ وہ پاکستان میں پکڑے جاتے تو واویلا کیا جاتا کہ سیاسی مخالفت یا کسی دشمنی کی وجہ سے نشانہ بنایا گیا ہے۔ صفائی پیش کی جاتی کہ اتنی دولت ہے، انہیں کیا ضرورت تھی ایسے دھندے کی؟ یا پھر یہ کہ انہوں نے تو کبھی سگریٹ کو بھی ہاتھ نہیں لگایا وغیرہ وغیرہ۔ حقیقت یہ ہے کہ ہوس کی کوئی حد ہی نہیں ہوتی اور جب کام صرف اتنا ہو کہ بس ایک بیگ یا بریف کیس اپنی گارڈز والی گاڑی پر لاہور سے کراچی، فیصل آباد سے لاہور یا پشاور سے اسلام آباد پہنچانا ہو، اور آگے کا کام کسی اور نے کرنا ہو اور لاکھوں روپے اتنے سے کام کے مل جانے ہوں تو ایسی ترغیب اور لالچ سے بچنا کافی مشکل ہوتا ہے۔ خود کو اطمینان دلانے کی بہت سی دلیلیں گھڑ لی جاتی ہیں کہ میں نے تو ہاتھ بھی نہیں لگایا، جنھوں نے استعمال کرنی ہے، انہیں تو کہیں نہ کہیں سے مل ہی جانی ہے، اچھا ہے کفار کی اولاد خراب ہو، وغیرہ وغیرہ....اگر کوئی پکڑا جائے تو اس کے حامی طنزاً یہ بھی کہہ دیتے ہیں کہ چلو بھینس چوری کا کیس نہیں بنا دیا۔ انہیں معلوم نہیں کہ بھینس چوری کے تمام کیس بھی جھوٹے نہیں ہوتے۔ بھینس چوری بھی یہی اشرافیہ کراتی ہے۔ غریب کارندے بھینس کھول تو لاتے ہیں۔ ان کے پاس رکھنے کی کوئی جگہ یا انتظام نہیں ہوتا۔ وہ ایسے ہی بڑے زمینداروں، نمبرداروں، کونسلروں، چیئرمینوں، ناظموں، اسمبلی ممبروں کے ڈیروں اور مویشی خانوں میں باندھی جاتی ہیں جہاں پولیس والے کبھی آتے ہیں تو بس سلام کرنے۔ یہ ''شرفا'' نئے تھانیدار کے پہنچتے ہی ایک بھینس بچوں کے دودھ کیلئے اس کی رہائش گاہ پر بندھوا دیتے ہیں۔ جنہیں رسہ گیر کہا جاتا ہے، وہ بیشتر یہی ہوتے ہیں۔ کوئی کھوجی کھرا دیکھتا پہنچ بھی جائے تو بھینس انہیں کچھ نذرانہ دے کر ہی واپس لے جائی جا سکتی ہے۔ دیہی پس منظر والے دوست اس کی تصدیق کریں گے۔ یہ لوگ حکومتی پارٹی میں ہوتے ہیں تو کوئی ہاتھ نہیں لگا سکتا اور اپوزیشن پارٹی میں ہوں تو انتقامی کارروائی کا شور مچا دیا جاتا ہے۔ یہ عمومی بات ہے۔ کسی خاص کیس کے سچے یا جھوٹے ہونے پر کوئی اصرار نہیں۔

دس لفظ دس باتیں

عامر سہیل

1۔ گراں بہا (بیش بہا)....اخلاق کی عمدگی ایک ایسی خصلت ہے جس کے مقابل دنیا کا ہر گراں بہا معاوضہ ہیچ ہے۔

2۔ صحبت بگڑ جانا (ان بن ہونا)...کسی بھی رفیق کو اپنا ہمراز بنانے سے پہلے اس کے متعلق خوب جان پرکھ حاصل کر لیں ایسا نہ ہو کہ صحبت بگڑ جانے پر وہ ہمارا سربستہ راز اگل کر مصیبت میں پھنسا دے۔

3۔ اعتدال و توازن (میانہ روی، برابری)...ایک کامیاب زیست بسر کرنے کیلئے اعتدال و توازن کی راہ ہی بہترین راہ ہے کیونکہ اس پر چلنے والا نہ تو خلقت کا محتاج ہوتا ہے اور نہ طعن و تشنیع کا شکار۔

4۔ طوالت (لمبائی) ہمیں اپنی گفتگو میں کبھی طوالت پسندی کے عنصر کو جگہ نہیں دینی چاہیے کیونکہ اس سے ایک تو ہماری گفتگو بے مزہ ہو جاتی ہے دوسرا سامعین بھی اکتاہٹ کا شکار ہو کر توجہ کا رشتہ توڑ دیتے ہیں۔

5۔ اشتیاق (شوق، خواہش) بہت زیادہ مال و متاع کے حصول کا اشتیاق ہی اکثر اوقات انسان کو صراطِ مستقیم سے پرے لے جاتا ہے اور یہ ڈگر وہ ڈگر ہے کہ ایک بار اس کا چسکا لگ جائے تو پھر تا عمر اس سے بچنا مشکل۔

6۔ سیر ہونا (بیزار ہونا، بھرنا) سخت کوش اور محنتِ شاقہ کے عادی شخص کی طبعیت کبھی مشقت اور جانفشانی سے سیر نہیں ہوتی اور کاہل و سست کی طبعیت تن آسانی سے مگر کامیابی ہمشگی اول الذکر کو نصیب ہوتی ہے۔

7۔ کوشاں رہنا (جٹے رہنا لگے رہنا) زندگی میں درپیش آتی مشکلات سے کامیابی کی راہیں مسدود نہیں ہوتیں ان پر حوصلہ مت ہاریں اور بہتری کی جانب کوشاں رہیں ایک نہ ایک دن کامیابی کی قدم بوسی مقدر بنے گی۔

8۔ ڈول ڈالنا (انتظام کرنا) جو شخص خلوصِ نیت سے کسی کام کو سرانجام دینے کیلئے دل باندھ لیتا ہے تو اللہ اس کیلئے آسانیوں کا ڈول ڈال ہی دیتا ہے، اُس کا مصمم ارادہ اس کی کامیابی کی دلیل ہوتی ہے 9۔ مائل ہونا (راغب ہونا) ہماری طبعیت ان امور کی جانب بہت جلد مائل ہو جاتی ہے جو ہمیں مانع ہیں اور اس جانب توجہ مبذول نہیں ہوتی جس طرف حقیقت اور اصل ہے۔

10۔ چشمِ پُر آب (آنسوؤں سے تر آنکھ) خوفِ خدا سے چشمِ پُر آب رکھنے والے کا عقیدہ راسخ ہوتا ہے اور ایسی بشریت کو ہی حقیقی قلبی راحت ودیت ہوتی ہے۔

***

اُردو زبان کا رونا

آفتاب شاہ

محترم عمران خان صاحب وزیر اعظم اسلامی جمہوریہ پاکستان

آداب بعد تسلیمات!

میں اس ملک کی قومی زبان ہوں اور مجھے یہ فخر حاصل ہے کہ میں اسلام کی آغوش سے فیض یاب ہوتے ہوئے علاقائی زبانوں سے میل میلاپ کرتے ہوئے اس دھرتی پر پروان چڑھی ہوں۔ حکمرانوں کی منظورِ نظر رہی۔ دکن کا رنگ روپ مجھ میں سمایا۔ دلی اور پنجاب مجھے اپنی بیٹی مانتے ہیں جبکہ سندھ مجھے اپنی اولاد کی طرح دیکھتا ہے۔لکھنؤ نے مجھے معاشرت کے پنگوڑے سے نکال کر چلنا سکھایا تو دلی نے میری ایسی ادبی شان بڑھائی کہ مجھے خود پر فخر محسوس ہونے لگا۔ ایسا بھی نہیں کہ میں ایک دن میں اپنے پاؤں پر کھڑی ہوگئی بلکہ صدیوں کے عمل نے مجھے اس قابل کیا کہ میں ایک قابلِ قدر زبان کا روپ دھار سکوں۔ مجھ سے حسد کرنے والے بھی بہت تھے۔ برج بھاشا تو مجھ سے خدا واسطے کا بیر رکھتی تھی۔ جب مجھ کو ختم کرنے کی کوششیں شروع ہوئیں تو میں سوچتی تھی کیا کبھی ایسا وقت بھی آئے فا جب میرا اپنا دیس ہوگا میرا اپنا وطن ہوگا اور پھر وہ وقت بھی آ گیا جب مجھے اپنا وطن ملا۔ ایک عظیم راہنما جو خود انگریزی کا پرستار رہا میری شان بڑھا گیا وہ راہنما جس نے مجھے قومی زبان قرار دیا۔تب مجھے پتا چلا کہ وطنیت کا تصور یہی ہے اپنے علوم و فنون، زبان، لباس، تہذیب و تمدن اور روایات کو فروغ دیا جائے۔ میں بہت خوش تھی لیکن قوم کا باپ مجھے ایسے لوگوں میں چھوڑ گیا جو مجھ پر ہنستے اور غیر زبان کی تعریف کرتے۔ میرا دل جلتا کہ میں قومی زبان ہوکر بھی دوسرے درجے کی زبان کیوں ہوں۔

پھر مجھے سرکاری زبان تو قرار دیا گیا لیکن سرکار نے اس قابل نہ سمجھا کہ میں دفتری زبان ہوتی۔ میں جب جاپانی کو دیکھتی وہ میرا انداق اڑاتی جب چینی زبان کو دیکھتی تو رشک کرتی جب فرنچ یا ڈچ زبان کا تزکرہ ہوتا تو دل خون کے آنسو روتا دعا کرتی اے اللہ کوئی ایسا راہنما عطا کر جو مجھے ہندی، ڈچ، انگریزی، چینی زبان کی طرح عزت دلوا دے۔ جو 22 کروڑ کے ملک میں میری شناخت دوسرے درجے سے پہلے درجے میں کروا دے۔ جو میرا احساسِ کمتری اس طرح دور کرے کہ سکول جاتا بچہ مجھے بولتے، پڑھتے اور سیکھتے کسی اور زبان کے مقابلے پر شرمندگی محسوس نہ کرے۔ 74 سال سے میں اپنے گھر سے بیگھر ہوں کاش کوئی مجھے میرا گھر سجا دے۔ پھر میں نے سنا کہ تبدیلی کا نعرہ لیکر ایک غیور اور بہادر وطن پرست برسرِ اقتدار آیا ہے۔ دو سال گزر گئے لیکن اے غیور اور بہادر وطن پرست تجھے میری یاد کیوں نہیں آئی۔ تیرا قلم میری تقدیر کے پروانے پر کب دستخط کرے گا۔ تیری عدالتیں کب مجھے انصاف مہیا کریں گی۔ تیری نیب کب مجھے گھر سے بیگھر کرنے والوں کو پکڑ کر میری عزت بڑھائے گی۔ تیری ٹائیگر فورس کب مجھے لباس کی طرح زیب زبان کرے گی۔ کب مجھے سندھ، بلوچستان، پنجاب، خیبر پختونخواہ، گلگت بلتستان اور کشمیر میں قومی جھنڈے کی طرح شاد باد کیا جائے گا۔ کب اسلام آباد میں غیر ملکی سفیر کے سامنے مجھے بولا جائے گا کب اقوام متحدہ میں مجھے میرا مقام دیا جائے گا؟ آخر کب؟

اے غیور اور بہادر وطن پرست تیرے جواب کی منتظر

تیرے ملک کی راندۂ درگا   نام نہاد قومی زبان اردو

***

تعارف شعرائے عالمی مشاعرہ قندیل شعروسخن ۱۸ جولائی ۲۰۲۰ء

۱۔ڈاکٹر جاوید منظر پی ایچ ڈی۔کراچی۔صدر مشاعرہ

۲۔جمشید مسرور ناروے: عالمی اردو ادب کی جانی پہچانی شخصیت ہیں ۔چھ کتب کے مصنف ہیں جوکہ اردو پنجابی بنگالی،انگریزی اور نارویجین میں ترجمہ ہو چکی ہیں ۔صدارتی ایوارڈ یافتہ، میڈل آف ایکسیلینسی صدر پاکستان،ڈُوبری یونیورسٹی آف لاس اینجلس،ایوارڈ آف ایکس لینسی آف یو ایس اے،ایوارڈ از حکومت ناروے،آرٹسٹ ایوارڈ برائے شاعری اور بہت سے ایوارڈ یافتہ شاعر۔

۴۔افتخار راغب قطر: پانچ کتب کے مصنف (لفظوں میں احساس)،(خیال چہرہ)(غزل درخت،) (یعنی تو)،(کچھ اور)،۴۔شہباز نیئر۔اصل نام غلام شہباز۔ پیدائش۔۱۹۸۳۔لیکچرار شعبہ اردو فرید کالج رحیم یار خاں، شعری مجموعہ۔(تمہارے ہوگئے ہم)

۵۔محترم صالح اچھا صاحب کنیڈا: آپ کی مادری زبان گجراتی ہے اردو میں خوبصورت شاعری کرتے ہیں۔ایک درجن سے زائد کتب کے مصنف ہیں۔دیدہ دوراں،دیدہ نگراں، دیدہ حیراں، دیدہ خوباں، دیدہ جاناں، ظرافت مآب، چاندی کا دھواں۔

۶۔جنید اختر: مجموعہ کلام (سودائے سخن)

ایک جرثومے کو ایسی جلا دی رب نے
آج انسان کی اوقات دکھا دی رب نے
سر یہ اکڑا تھا بہت جاہ و حشم کے مارے
شان جھوٹی تھی سو مٹی میں ملادی رب نے

۷۔محترمہ اسماء ناز وارثی صاحبہ

ان کی تنظیم کا نام ہے بزم علم و ادب
کلامِ شوق ہوا اے دل حضور کی خاطر
پیامِ شوق ہوا اے دل حضور کی خاطر
خیال ان کا ہو دل میں لبوں پہ صلِ علیٰ
کلامِ شوق ہوا اے دل حضور کی خاطر

۸۔شگفتہ شفیق کراچی

چار شعری مجموعوں کی خالق۔(میرا دل کہتا ہے)۔(یاد آتی ہے)جاگتی آنکھوں کے خواب۔شگفتہ نامہ،

۹۔حنیف تمنا: دوشعری مجموعوں کے خالق۔

۱۰۔عاصی صحرائی ۱۱۔تبسم صدیقی کراچی

چار مضامین میں ایم اے ،اکنامکس،انگریزی، اردو، کمپیوٹر سائنس، ۱۹۷۸ سے شعر گوئی، بین الاقوامی مشاعروں میں شرکت،دوہا، دوبئی، بھارت، امریکہ،کنیڈا کے مشاعروں میں شرکت۔کتاب کی مصنفہ،اوڑھنی کے رنگ۔

تاکید ہے کہ راز محبت عیاں ہوں
ممکن کہاں کہ آگ لگی ہو اور دھواں نہ ہو
دعویٰ جنہیں خدائی کا ہے ان سے کہو
ایسی بہار لائیں جس کی خزاں ہو

۱۲۔کامران مغل:ایک مجموعہ کلام کے خالق۔

۱۳۔ساجد محمود رانا: دوشعری مجموعوں کے خالق۔ایک اُبھرتا ہوا منفرد نوجوان شاعر

۱۴۔اقبال مجیدی: دوشعری مجموعوں کے خالق۔ بہت سے مشاعروں کی نظامت کر چکے ہیں۔اچھے منتظم اور دبنگ شاعر ہیں۔لندن میں آکر بھی ادب نوازی کو فروغ دینے میں پیش پیش رہتے ہیں۔

۱۵۔عبدالکریم قدسی: شیخوپورہ پاکستان سے تعلق ہے۔آپ کا کلام ۱۹۶۸ء سے ادبی جرائد میں چھپنا شروع ہوا۔۱۹۷۲ء میں ریڈیو پاکستان پر پہلا مشاعرہ پڑھا۔آپ کا ادبی سفر نصف صدی پر محیط ہے۔۴۰ سے زیادہ گیت ٹی وی اور ریڈیو سے نشر ہوچکے ہیں۔پانچ ایوارڈ ملے۔پاکستان رائٹرز ایوارڈ،مسعود کھدر پوش ایوارڈ،حرفِ نوا،اور ساغر صدیقی ایوارڈ۔۲۰۰۲ء میں پی ٹی وی سے بہترین نغمہ ایوارڈ کا ایوارڈ، گورنمنٹ پنجاب کی چھٹی سا نویں کلاس کے نصاب میں آپ کی نظمیں شامل کی گئی ہیں۔ایجوکیشن یونیورسٹی لاہور میں آپ کی شاعری پر مقالہ لکھا جا چکا ہے۔آپ ساغر صدیقی اور شرقی بن شائق کے شاگردوں میں سے ہیں۔آج کل امریکہ میں مقیم ہیں۔

۱۶۔شائق نصیر پوری: دوشعری مجموعوں کے خالق۔۔شام سخن،شب تاب سخن

کچھ ہم نے اپنے خوابوں پر کچھ دل کی کتابوں پر لکھے
جتنے بھی ہم نے شعر لکھے سب کلیوں گلابوں پر لکھے

آواز مجھے اس کے گھر سے اب بھی آتی ہے ان گیتوں کی
جو میں نے عہد جوانی میں تھے اس کے شبابوں پر لکھے

۱۷۔پروفیسر عبدالقدیر کوکب ۱۸۔اسحاق ساجد جرمنی

۴شعری مجموعوں کے خالق۔جمال دوست ۔گیت میرے میت، جشن ہجراں،گیتوں کا مجموعہ،برکھا من میں آگ لگائے،محبت کا پیمبر،ادراک فن، ایڈیٹر سمندر میگزین۔

۱۹۔عبدالجلیل عباد:ایک شعری مجموعے کے خالق(دھوپ دشت اور میں)

۲۰۔ڈاکٹر منور احمد کنڈے:برطانیہ میں لڑکپن سے مقیم،ہومیوپیتھی کے ڈاکٹر، اردو اور پنجابی کے معروف شاعر،کئی کتب کے مصنف،کسی انسان کی تعظیم کرنا۔یہی ہے حسن کو تسلیم کرنا۔

۲۱۔صبیحہ صبا: ممتاز شاعرہ ہیں۔پانچ شعری مجموعوں کی مصنفہ ہیں۔عالمی مشاعروں اور ادبی جشن کی منتظمہ اعلیٰ ہیں۔اردو منزل ڈاٹ کام کی بانی مدیر اعلیٰ ہیں۔آپ کے یوٹیوب چینل کا نام بھی اردو منزل ہے۔

۲۲۔صغیر احمد جعفری: پیشے کے لحاظ سے انجینئر۔منتظم اعلیٰ عالمی مشاعرہ اور ادبی جشن ۔شاعر ومصنف (خوابوں سے رشتہ ٹوٹ جائے گا) ماضی میں تحریک پاکستان کے متحرک کارکن رہے۔اورتاریخی مسلم سٹوڈنٹس کے فعال ممبر رہے اور اردو منزل کے ایڈیٹر ہیں۔

۸۔۔۔شگفتہ شفیق کراچی: چار شعری مجموعوں کی خالق۔(میرا دل کہتا ہے)۔(یاد آتی ہے) جاگتی آنکھوں کے خواب۔شگفتہ نامہ۔

۱۱۔تبسم صدیقی کراچی: چار مضامین میں ایم اے ،اکنامکس،انگریزی، اردو،کمپیوٹر سائنس،۱۹۷۸ سے شعرگوئی،بین الاقوامی مشاعروں میں شرکت، دوہا، دوبئی، بھارت، امریکہ،کنیڈا کے مشاعروں میں شرکت ۔کتاب کی مصنفہ،اوڑھنی کے رنگ۔

تاکید ہے کہ راز محبت عیاں ہوں
ممکن کہاں کہ آگ لگی ہو اور دھواں نہ ہو
دعویٰ جنہیں خدائی کا ہے ان سے کہو
ایسی بہار لائیں جس کی خزاں ہو

۱۲۔کامران مغل:ایک مجموعہ کلام کے خالق۔

۱۳۔ساجد محمود رانا: دوشعری مجموعوں کے خالق۔ایک اُبھرتا ہوا منفرد نوجوان شاعر۔

۱۴۔اقبال مجیدی: دوشعری مجموعوں کے خالق۔بہت سے مشاعروں کی نظامت کر چکے ہیں۔

تعارف شعرائے عالمی مشاعرہ قندیل شعر وسخن

۲/اگست ۲۰۲۰

☆۔پروفیسر ڈاکٹر عبدالکریم خالد لاہور

شاعر،نقاد،محقق،اوردانشور۔اردو تنقید پر دو کتابیں، ۱۔نئے پرانے مضامین ۔۲۔چند اور مضامین۔شاعری کی ایک کتاب،(ہم اگر خوب ہوتے ۔گورڈن کالج راولپنڈی)یونیورسٹی آف ایجوکیشن لاہور۔امپیریل یونیورسٹی لاہور، کے اردو شعبوں کے صدر رہے۔۵۰ سے زائد اردو ایم فل مقالوں کے نگران رہے۔۲۰ سے زائد پی ایچ ڈی مقالوں کے نگران رہے۔لاہور اور سرگودھا کی یونیورسٹیوں نے آپکی ادبی خدمات پر بھی مقالے لکھوائے ۔اس وقت لاہور لیڈز یونیورسٹی میں بطور پروفیسر سروس کر رہے ہیں۔

☆۔امین اوڈیرائی۔تین زبانوں کا شاعر وافسانہ نگار۔۔۔!!

محمد امین ولد لال خان کھوکھر نے 5 نومبر 1964 کو ضلع ٹیاری (سندھ) کے ایک قصبے اڈیرولال اسٹیشن میں شعوری آنکھ کھولی انہوں نے شاعری کا باقاعدہ آغاز 1982ع سے کیا۔1988 سے درس وتدریس کے شعبہ سے منسلک ہیں۔1993 میں ایم۔اے(سندھی ادب) میں کیا جب کہ 1994 میں بی ایڈ کیا۔وہ بیس پچیس سے زائد کتب کے مصنف ہیں جو کہ سندھی زبان میں 1: اچوسورن واریوں (شاعری) 1984۔۲:سڈکا سڈکا زندگی (کہانیاں) 1987 ۳:کشکول میں چنڈ (شاعری) 1993 ۴:چانڈوکی ءجوگھاؤ (شاعری)1999ع ۵:وچھوڑے جو درد (کہانیاں) 2006-۶: خوابن جی جاگیر (شاعری)2009ع ۷:چنڈ چانڈوکی ءسور (کلیات)-2015 ۸ گم تھیل خواب(شاعری)زیرِ طبع۔

اردو زبان میں: 1:ہاتھوں پہ سورج (غزلیں) 2003۔۲:اک وجود اور (افسانے) 2007۔۳:احساس کی خوشبو(غزلیں) 2008اور2014 ۴: چاندنی کے اس پار(ناول) 2009 ۵:رشتہ آنکھ اور پانی کا (غزلیں نظمیں) 2011۔تیرگی میں کرن (غزلیں) زیرِ طبع ۶۔دو فائر (مائکروفکشن) زیرِ طبع ۸۔آہ نیم کش (غزلیں) زیرِ طبع۔۹۔الماری میں رکھے ہوئے خواب (افسانے) زیرِ طبع

پنجابی زبان میں: دل دا کاسہ(غزلیں نظمیں) 2013ء

بُکھ دا روپ (شاعری) زیرِ طبع نوٹ: ان کے علاوہ کئی ایوارڈز واسناد بھی پا چکے ہیں۔!! خیر اندیش: خادم خیال پوری۔

۳۔نام: سید انور ظہیر رہبر(برلن جرمنی): شاعر، افسانہ نگار، کالم و سائنسی

مضامین نویس۔تعلیم: ماسٹر، میڈیسن فزکس، اپلائیڈ یونیورسٹی برلن۔

تحقیقی مقالہ: غذا کی نالی میں کینسر کا علاج بذریعہ لیزر جرمنی کی عدالت عالیہ سے جرمن، اردو، ہندی، پنجابی اور انگریزی زبان کے ترجمان کا ڈپلومہ، جرمنی کے محکمہ وزارت خارجہ سے اردو کیمبرس کا ڈپلومہ۔

پیشہ: جرمنی کے محکمہ وزارت داخلہ سے منسلک،، جرمنی کے وزارت خارجہ میں شعبہ اردو، تہذیب وثقافت کے انچارج) ڈائریکٹر ادارہ ایک چھت کے نیچے (ذاتی اور نجی لسانی ادارہ جہاں جرمنوں کو اردو اور ہندی زبان، ہندوستانی و پاکستانی نژاد بچوں اور جوانوں کو ان کی مادری زبان اور بڑوں کو جرمن زبان کی تعلیم دی جاتی ہے۔

تصانیف: ۱۔پہلا شعری مجموعہ تجھے دیکھتا رہوں 2000ء کلکتہ (ہندوستان) سے شائع ہوا۔ ۲۔افسانوی مجموعہ عکسِ آواز کراچی (پاکستان) سے 2018ء میں شائع ہوا۔ ۳۔کالم پردیسی نظریہ پاکستان اور ہندوستان میں باقاعدگی سے شائع ہوتا ہے۔ ۴۔لفظ بولیں گیمبری تحریر کے۔

(انور ظہیر رہبر کے فن وشخصیت پر لکھے گئے مضامین کے مجموعے)

ترتیب: امتیاز گورکھپوری ممبئی اشاعت 2019۔زیرطبع: ۱۔جرمنی کے افسانہ نگار (زیرترتیب)

2۔دوسرا افسانوی مجموعہ آسماں پہ اڑتی تحریریں (زیرترتیب) ۳۔دوسرا شعری مجموعہ سمندر پہ مکاں (زیرترتیب) 4۔سائنسی موضوعات پر دو کتب میرا جسم میری زندگی اور زندگی کا سفر (زیرترتیب) 5۔وقت کے گواہ (دوسری جنگ عظیم میں بچ جانے والے جرمن جو ابھی تک حیات ہیں ان سے لیے گئے انٹرویو یہ کتاب تین زبان جرمن، انگریزی اور اردو میں ہوگی۔ سرگرمیاں:۔ برلن میں سب سے پہلا اردو مشاعرہ (1987) منعقد کروایا۔ اردو کا پہلا ادبی جریدہ کاوش (1988-89) نکالا۔کراچی سے نکلنے والے رسالے سائنس ڈائجسٹ میں بطور خصوصی نمائندہ (1986 تا 2003ء)

۴۔امن علی امنؔ: پاکپتن (پاکستان)

اک نظر ہم کو دیکھ لیتے ہیں یہ بھی اُن کی وفا شعاری ہے
ہم ہیں کردار اک کہانی کے لوگ پڑھتے ہی بھول جائیں گے

نام: شمشاد شاد ساکن: ناگپور (مہاراشٹرا، انڈیا) پیشہ: ملازمت حرف اثبات اور دل گرفتہ (دو مجموعہ کلام زیر اشاعت ہیں) قلمی خدمات: ہندو پاک کے رسائل وجرائد میں کلام شائع ہوتے رہتے ہیں ممتاز گلوکار حضرات نے کلام کو آواز دی ہیں۔ میوزیک البم میں بھی غزلیں شامل ہوئی ہیں۔

دیکھتا کیا ہے مرا شوقِ جنوں میں نے تو
اپنے ہر دن کا تری دید سے آغاز کیا

اے رات آنے کا تیرے گلہ نہیں لیکن
سیاہی کس لئے چہرے پہ مل کے آئی ہے
لوگ روتے ہوئے چہروں پہ ترس کھاتے ہیں
مجھ کو میری یہ دکھاوے کی ہنسی لے ڈوبی

۵۔نام۔مظفر حق مجاہد: تخلص۔لالٹین (طنزومزاح) قصبہ۔وآئیمہ ضلع الہ آباد جو کہ اب پریاگ راج ہوگیا اتر پردیش انڈیا سے ہوں چیف آفس سپرانٹنڈنٹ نارتھ سنٹرل ریلوے پریاگ راج انڈیا میں ملازم ہوں۔ ریلوے سے کوی سمّیلن اوارڈ، بار اسوشیئشن سے کوی سمّیلن اوارڈ مالیگاؤں مہاراشٹر اردو بزم سے ایوارڈ۔ پہلا مجموعہ۔ دیوار قہقہہ۔ زیر ترتیب۔شعر۔

دے رہا ہوں روشنی سبکو جو بنکر لالٹین
پھر خدا جانے کہ میرا نام کیوں بدنام ہے

۶۔ڈاکٹر افروز عالم: کم وبیش ایک درجن کتابوں کے خالق، ادیب و شاعر جناب افروز علم کا تعلق ہندوستان کے صوبہ بہار سے ہے، پچھلے قریب 22-20 سالوں سے خلیجی ممالک کے کئی شہروں میں اقامت پذیر رہے۔ قریب ۲۲ سال تک کویت کو اپنا گھر آنگن بنائے رہے۔ آج کل سعودیہ عربیہ کے شہر جدہ میں مقیم ہیں۔ دنیا بھر کے سیمناروں، مشاعروں رسالوں اخباروں اور سماجی ذرائع ابلاغ کی بدولت اردو کے عالمی منظر نامے پر ایک جانا پہچانا فراط نام افروز عالم حوالہ کے شکل میں اپنی شناخت رکھتے ہیں۔ اردو کی کئی انجمنوں کے ذمہ دار عہدوں کے سہارے اپنے ثقافت کی آبیاری میں مصروف ہیں۔ نمونہ اشعار۔

یہ سوکھے پیڑوں کے زرد پتے میری تباہی پہ ہنس رہے ہیں
انہیں خبر کیا کہ رفتہ رفتہ سے کا سورج پگھل رہا ہے
ساحل کی فضاؤں کا مزا اور ہی کچھ ہے
جنگل کے درختوں کے ہیں غم اور طرح کے

۷۔نام عائشہ شیخ تخلص عاشی۔تعلق پاکستان سے ہے لیکن پچھلے ۱۳ برسوں سے دبئی میں مقیم ہوں۔ادبی زندگی۔آٹھویں کلاس میں تھی جب پہلی بار شعر کہا۔بزم اردو دبئی کی ممبر ہوں۔پروگرامز ہوسٹ بھی کرتی ہوں۔کویتی ڈیزائنر کی برانڈ ایمبیسڈر رہ چکی ہوں ۲۰۱۶ سے ۲۰۱۷ تک پاکستان۔دبئی اور انڈیا میں مشاعرے پڑھ چکی ہوں کینڈا کے ادبی پروگرام کے لیے انوائیٹیڈ تھی۔

۸۔ڈاکٹر ظفر اقبال جاذب: دو کتابوں کے تخلیق کار ''مری پلکوں سے تارا ٹوٹتا ہے''۔اور ''تاریک اُجالے''۔صدر۔سخن قبیلہ۔کالم نگار۔

میں خود کو ڈھال لوں گا آئینے میں

تمھیں پھر روبرو ہونا پڑے گا
بدن کے زخم تو اک روز بھر ہی جائیں گے
مگر وہ روح جو گھائل ہے اس کا کیا ہوگا

۹۔گلشن بیابانی اصل نام۔رحمٰن خان ولد بسم اللہ خان۔

پیدائش۔9 ستمبر 1954 مقامِ پیدائش۔ محلّہ بیابانی۔ شہر اچلپور۔ ضلع امراوتی۔ مہاراشٹر۔پیشہ۔ درس و تدریس (سبکدوشی۔۔2012)تعلیم۔ ایم۔اے اردو (گولڈ مڈل) ایم اے فارسی۔بی ایڈ۔بی ٹی گپور یونیورسٹی۔ ذوقِ طبع۔ شاعری۔پسندیدہ صنف۔غزل۔مجموعہ کلام۔لاتخف زیرِ طبع۔ رَوش رَوش ادبی سرگرمیاں۔1983 سے آل انڈیا ریڈیو۔ آکاش وانی ناگپور کے اردو پروگرام ''آبشار'' سے تا حال منسلک ملک و بیرون کے ادبی و نیم ادبی رسائل واخبارات میں مختلف اصنافِ سخن کی اشاعت کیساتھ ملک بھر کے زمینی مشاعروں میں بحثیت شاعر و ناظمِ مشاعرہ۔اوراب بیشمار واٹس گروپ اورسوشل میڈیا کی گرفت میں جکڑا ہوا۔

۱۰۔ڈاکٹر نجمہ شاہین کھوسہ: ایف ایس سی۔گورنمنٹ کالج ڈیرہ غازی خان، ایم بی۔بی۔ایس۔۔نشتر میڈیکل کالج ملتان۔ا۔ایڈ منسٹریٹر اینڈ گائنا کالوجسٹ آف۔جان سرجیکل ہسپتال۔ بلاک 48 کنگن روڈ ڈیرہ غازی خان پنجاب۔۲۔نائب صدر۔پاکستان میڈیکل ایسوسی ایشن ڈیرہ غازی خان۔صدر ادبی تنظیم۔آنچل ۴۔چیر پرسن جنوبی پنجاب خواتین ونگ۔بین الاقوامی و بین المذاہب ذہنی ہم آہنگی تنظیم۔ممبر سکروٹنی کمیٹی اکیڈیمی ادبیات اسلام آباد۔۶۔ممبر آرگنائیزر کمیٹی اکیڈیمی آف لیٹر ملتان۔۷۔ممبر نارکوٹکس کمیٹی ڈیرہ غازی خان۔۸۔ممبر بورڈ آف منیجمنٹ ووکیشنل ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ ڈیرہ غازی خان ۹۔ا۔ایگزیکٹو ممبر آف المنظور آئی ٹرسٹ ڈیرہ غازی خان۔اب تک پانچ شعری مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔

۱۱۔ڈاکٹر ساجدہ سلطانہ۔ ۱۲۔شفیق مراد۔

جرمنی شریف اکیڈمی جرمنی کے بانی۔بہت سی کتب شائع کروانے والے اور دنیا بھر میں ادب کی ترویج کرنے والی شخصیت ہیں۔

۱۳۔اثر اکبرآبادی۔ ۱۴۔یشب تمنا۔دو مجموعہ کلام کے مصنف۔

۱۵۔آصف علی آصف

شاعر،افسانہ نگار اور مبصر، کوآرڈینیٹر حلقہ ارباب ذوق کراچی۔ ماتھے پہ جب وفورتخیل سے بل پڑا۔انگلی قلم کی تھام لی کاغذ پہ چل پڑا۔

۱۶۔مجاہدلاٹین۔مزاحیہ کلام لکھتے ہیں۔

۱۷۔ڈاکٹر منور احمد کنڈے۔ ۱۲ سے زائد کتب کے مصنف ۱۸۔اسحاق ساجد۔چارکتب کے مصنف ۱۹۔عبدالحمید حمیدی۔۲۰۔عاصی صحرائی۔۔

احساس نایاب۔ہاجرہ نورزریاب۔انڈیا،شاعرہ،،ایم اے اردو۔ایم اے انگلش۔درس وتدریس کے شعبہ سے منسلک۔

تعارف شعرائے عالمی مشاعرہ قندیل شعروسخن ۱۸ جولائی ۲۰۲۰ء

۱۔ڈاکٹر جاوید منظر پی ایچ ڈی۔کراچی۔صدر مشاعرہ

۲۔جمشید مسرور ناروے۔

عالمی اردوادب کی جانی پہچانی شخصیت ہیں۔چھ کتب کے مصنف ہیں جو کہ اردو پنجابی بنگالی، انگریزی اور نارویجین میں ترجمہ ہوچکی ہیں۔صدارتی ایوارڈ یافتہ، میڈل آف ایکسیلینسی صدر پاکستان، ڈگری یونیورسٹی آف لاس اینجلس، ایوارڈ آف ایکس لینسی آف یو ایس اے، ایوارڈ از حکومت ناروے، آرٹسٹ ایوارڈ برائے شاعری اور بہت سے ایوارڈ یافتہ شاعر۔

۳۔افتخار راغب قطر: پانچ کتب کے مصنف۔لفظوں میں احساس،خیال چہرہ،غزل درخت،یعنی تو،کچھ اور۔

۴۔شہباز نیئر: اصل نام غلام شہباز۔پیدائش۔۱۹۸۳۔لیکچرار شعبہ اردو فرید کالج رحیم یارخاں، شعری مجموعہ۔(تمھارے ہوگئے ہم)

۵۔محترم صالح اچھا صاحب کنیڈا: کی مادری زبان گجراتی ہے۔اردو میں خوبصورت شاعری کرتے ہیں۔ایک درجن سے زائد کتب کے مصنف ہیں۔ دیدہ دوراں، دیدہ نگراں، دیدہ حیراں، ظرافت آب، دیدہ خوباں، چاندی کا دھواں، دیدہ جاناں

۶۔جنید اختر۔مجموعہ کلام (سودائے سخن)

ایک جرثومے کو ایسی جلا دی رب نے
آج انسان کی اوقات دکھادی رب نے
سر یہ اکڑا تھا بہت جاہ و حشم کے مارے
شان جھوٹی تھی سومٹی میں ملادی رب نے

۷۔محترمہ اسماء نازوارثی صاحبہ ان کی تنظیم کا نام ہے بزم علم وادب،

کلامِ شوق ہوا ہت حضور کی خاطر
پیامِ شوق ہوا ہت حضور کی خاطر
کلامِ شوق کا دلوں میں جل ہے
کلامِ شوق ہوا ہت حضور کی خاطر

۸۔شگفتہ شفیق کراچی۔۹۔حنیف تمنا،۔۱۰۔صغیر جعفری۔۱۱۔تبسم صدیقی کراچی۔۱۲۔کامران مغل،کراچی۔۱۳۔شاہد محمود رانا لندن۔۱۴۔اقبال مجیدی لندن۔۱۵۔عبدالکریم قدسی لندن۔۱۶۔شائق نصیر پوری لندن۔۱۷۔پروفیسر عبدالقدیر کوکب لندن۔۱۸۔اسحاق ساجد جرمنی۔۱۹۔عبدالجلیل عباد جرمنی۔
۲۰۔ڈاکٹر منور احمد کنڈے یوکے۔۲۱۔عبدالحمید حمیدی کنیڈا۔

معروف شاعرہ ڈاکٹر نجمہ شاہین کھوسہ اور ان کی تصنیفِ ثانی ''میں آنکھیں بند رکھتی ہوں'' پر مختصر اظہارِ خیال مع ہدیہء تبریک

منوّر احمد
کنڈے،

خزینہء علم و ادب لاہور کے زیرِ اہتمام شائع شدہ ڈاکٹر نجمہ شاہین کھوسہ صاحبہ کا مجموعہء کلام ثانی ''میں آنکھیں بند رکھتی ہوں'' تین صد سے زائد صفحات پر مشتمل ہے۔ دنیائے سخنوری میں بہت کم کتابیں ایسی ہیں جن میں انتساب کو بھی منظوم کیا گیا ہے۔ نجمہ شاہین کی یہ تصنیف بھی انہیں میں سے ایک ہے:

اسے کہو میں اس کے ذکر میں رہوں نہ رہوں
وہ ہے مرا حرفِ طلب، میرا انتساب پڑھ لے

''میں آنکھیں بند رکھتی ہوں'' کا گراں کتابی رنگ روپ اور اس میں موجود معیارِ نظم دونوں سے قاری متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا یعنی حُسنِ ظاہری سے بھی اور بیانِ باطنی سے بھی دورانِ مطالعہ حظ اٹھاتا چلا جاتا ہے۔ سخنوری کے گُلہائے حقیقت کی مہک پیہم دل و دماغ کو معطر کرتی، غزل میں خیالات کی پختگی اور نظم میں موضوعات کے تنوع کی موجودگی تخلیقات کو مزید زورآور بنا رہی ہیں:

تلخیاں اور بے بسی ویرانیاں
چار جانب ہیں عجب حیرانیاں
اے موجِ صبا اسے کہنا
اب کوئی نہیں
جو اس کی راہ تکتا ہے!

ہر حقیقت پسند شاعر محبوبِ حقیقی کو رنگِ مجاز میں دیکھنے کا آرزومند رہتا ہے، اور یہی خواہش اس کی شاعری کو معتبر تر و پُراثر کرنے میں مد ثابت ہوتی ہے۔۔ نجمہ شاہین فرماتی ہیں:

کاش کوئی تو ایسا لمحہ ہو
جس میں تو مجھ کو حاصل ہو

ڈاکٹری کے مہان پیشے سے منسلک نجمہ شاہین یقیناً ایک مصروف انسان کا نام ہے جنہیں نصیب سے چشمِ بینا اور اشکِ سلامتی کے ہمراہ قلبِ پُرسوز و محبت حاصل ہے۔ وہ اپنے آنسوؤں کے ذریعہ اپنے ہمعصر انسانوں کی لغزشوں کی آسانیوں کے لئے یوں دعا گو ہیں:

میں جی بھر کے روؤں میں آنسو پروؤں
میں حال اپنا رو رو کے اُن ﷺ کو سناؤں
اے خدا تو محتسب ہے مجھ پہ اک احسان کر
بھول کر لغزش مری یہ زندگی آسان کر

پاکیزگی کردار کو سلام۔

ان کی شاعری پر اس مختصر گفتگو کے بعد بطورِ ہدیہء تبریک ذیل میں ایک توشیحی نظم ڈاکٹر نجمہ شاہین کی خدمت میں پیش کرتا ہوں:

ڈ ا ک ٹ ر ۔ ن ج م ہ ۔ ش ا ہ ی ن

ڈ۔ ڈگر احساس کی کُھل جائے تو آگے قدم رکھوں
پھر اس کے بعد میں منزل کی سمتوں کا بھرم رکھوں
ا۔ ادب کی آبیاری فکر و فن کی آبیاری ہے
حقیقت میں یہ گلزارِ سخن کی آبیاری ہے
ک۔ کرشماتِ سخن کے جلوے دیکھے بند آنکھوں سے
کئی خوابوں کے ہم نے چہرے دیکھے بند آنکھوں سے
ٹ۔ ٹھہر اے جذبہء دل یہ سخن کی ارجمندی ہے
نظر کے روبرو اب فکرِ شاہیں کی بلندی ہے
ر۔ رسائی ہے کہاں تک کون بتلائے تصور کی
حدیں آخر کہاں تک کون سمجھائے تصور کی
ن۔ نئے احساس کی حامل، نئے ادراک کی حامل
ہیں ایسی شاعرہ، قدموں میں جس کے ہے نئی منزل
ج۔ جبینِ وقت پر مہتاب کی صورت منور ہے
ترے اندر چمکتا اور دمکتا جو سخن ور ہے
م۔ محبت کے جہاں کو روشنی بخشی ہے شاہیں نے
غزل ہو کر غزل کو زندگی بخشی ہے شاہیں نے
ہ۔ ہماری اور تمہاری زندگی کا ماحصل ''فن'' ہے
کہانی فن، فسانہ فن ہے، احساسِ غزل فن ہے
ش۔ شعورِ ذات کا اظہار ہے یہ شاعری کیا ہے
حسیں جذبات کا اظہار ہے یہ شاعری کیا ہے
ا۔ ادب میں با ادب ہونے سے اونچا نام ہوتا ہے
جو سچّے کام کرتے ہیں تو سچّا نام ہوتا ہے
ہ۔ ہزاروں خواہشیں مٹتی ہیں تب اک شعر ہوتا ہے
بھلا اتنی بھی آسانی سے کب اک شعر ہوتا ہے
ی۔ یہ لفظوں کے جواہر ہیں، لٹاتی جا رہی ہو تم
سخن کی خوب فیاضی دکھاتی جا رہی ہو تم
ن۔ نجم تقدیر کا نجمہ رہے گا ہر گھڑی روشن
دعا ہے یہ منوّر کی رہے تابندہ تیرا فن

"نئے سفر کا جو اعلان بھی نہیں ہوتا"
تو سمجھو ہاتھ میں سامان بھی نہیں ہوتا
ہزار وعدوں میں اک بھی وفا نہ ہو پائے
سو منتظر کوئی،، نادان بھی نہیں ہوتا
اسی کے دم سے ہی شیطا نیت پنپتی ہے
جہاں نہ وہ ہو تو شیطان بھی نہیں ہوتا
جو سر پہ باندھے کفن پھر رہا ہو گلیوں میں
تو اس کی موت کا سامان بھی نہیں ہوتا

راحت اندوری

افسانہ

ابدی زندگی

امجد مرزا امجد

۱۱ ستمبر ۱۹۶۵ء کو غزالہ کی شادی کی تاریخ طے پا چکی تھی اور ۵ تاریخ کو مشرقی روایت کے مطابق مہندی کی رسم ادا ہوئی۔ ارمان بریگیڈیر تھے اور شادی کیلئے چھٹی پر آئے ہوئے تھے۔ دونوں گھروں میں ڈھولک پر گیتوں کی بہاریں رقصاں تھیں۔ دور دراز سے آئے ہوئے مہمانوں کے جلد آجانے سے عجیب خوشگوار گہما گہمی تھی۔ غزالہ کی سہیلیاں اور بہنیں گانا گاتے گاتے جدائی کے تاثر سے پرنم بھی ہوجاتی تھیں۔ خود اس کا بھی اپنے ماحول، گھر اور دنیا ہی بدل جانے کے تصور سے یہی حال تھا تب سہیلیاں ارمان کے سجیلے پن کی باتیں چھیڑ دیتیں، جن سے اس کے دل میں انجانی تمنائیں مچل اٹھتیں۔ ابٹن اور مہندی میں ارمان کی مہک رچی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ ۶ ستمبر کو اچانک ہمارے پڑوسی ملک ہندوستان نے شبخون مارا، تمام فوجیوں کی طرح اس کا ارمان بھی مادرِ وطن کی حفاظت اور اپنا فریضہ ادا کرنے کو روانہ ہوگیا۔ ملک بھر میں دشمن کے اس جارحانہ حملے سے غم وغصے کی لہر دوڑ گئی وطن کا ہر جوان، بوڑھا، بچہ گویا فوجی سپاہی بن گیا۔

غزالہ دوہری پریشانی اور کشمکش میں مبتلا ہوگئی کہ لڑکیاں تو مہندی کا پیلا جوڑا اتار کے شادی کا لال جوڑا پہن کر سسرال جاتی ہیں اور وہ...وہ کس رنگ کا جوڑا پہن کر اپنے ارمان کا انتظار کرے؟ وہ کب واپس آئے گا؟ اسی تذبذب میں وہ کبھی روتی کبھی نماز پڑھ کے اپنے وطنِ عزیز، دلیر نوجوانوں اور ارمان کی خیر کی دعائیں مانگتی۔ دشمن کے جہاز جب گولے برساتے تو سب لوگ خندقوں میں پناہ لیتے بس کسی نئے جذبے کے تحت اس نے خود کو خواب سے بیدار کیا خدمتِ کے لئے اپنی ابتدائی طبی امداد کی سند لے کر قریبی ہسپتال پہنچ گئی۔ ایمرجنسی میں اس جیسی اور بھی کئی لڑکیاں اپنے فرض کو نبھا رہی تھیں۔

ہر روز محاذ پر لڑتے ہوئے بہادر نوجوان زخمی حالت میں ہسپتال لائے جاتے۔ وہ اپنے ارمان کی زندگی کے لئے دعائیں مانگتی۔۔ مگر جب زخمیوں سے بھرے ہوئے کئی وارڈز میں زخمیوں کو دیکھتی۔۔ کوئی ٹانگ سے محروم ہے تو کسی کا بازو کٹ چکا ہے۔۔ تو لرز جاتی۔۔ دل سے اپنے ارمان کے لئے دعا نکلتی۔

''اے میرے خدا! تو میرے ارمان کو اس طرح زخمی حالت میں یہاں مت لانا۔۔ اسے زندہ وسلامت رکھ۔۔ اسے اس طرح اپاہج کی زندگی نہ دینا۔ اس نے تو میرا گھونگھٹ بھی نہ اٹھایا تھا، مجھے دلہن بنے بھی نہ دیکھا تھا۔!!''

اور پھر ایک دن اسے خبر ملی۔۔ کہ اس کا ارمان بہت بہادری سے دشمن کی صفوں کو چیرتا ہوا بڑی جواں مردی سے لڑتا ہوا اپنے وطن پر نثار ہوگیا۔۔!!

غزالہ نے ایک گہرا سا سانس لیا دو آنسو ٹپک کر اس کے رخساروں سے لرزتے ہوئے اس کی سفید وردی میں کھو گئے، اس کے ہاتھ بے اختیار دعا کے لئے اٹھے۔

''یا میرے خدا۔۔ تو ہی ہر چیز کا مالک ہے۔۔ مجھے فخر ہے کہ میرا ارمان اپنے ملک کی حفاظت کرتا ہوا اپنے وطن پر قربان ہوگیا۔۔ تیرا شکر ہے کہ تو نے اسے اپاہج کی زندگی سے بچا کر شہید کا درجہ دیا۔۔ تیرا ہی فرمان ہے کہ شہید مرتا نہیں۔۔ زندہ رہتا ہے۔۔ میں بھی اپنے آپ کو کبھی بیوہ نہیں کہلاؤں گی۔ میرے ارمان کو تو نے ابدی زندگی عطا کی ہے۔'' اس نے اپنے ہاتھ چہرے پر پھیر کر آمین کہا اپنی آنکھیں خشک کیں اور ایک نئے عزم کے ساتھ زخمی فوجیوں کی خدمت میں مصروف ہوگئی۔۔۔!!

قاضی عبدالقدوس (ولورہمپٹن)

امجد مرزا امجد

تجربے یا تعلیم وتربیت کی بنا پر کسی معاملے میں آ گہی حاصل کرنے کا نام علم ہے۔علم کی کئی قسمیں ہیں، اس کی کئی شکلیں ہیں۔اسے حاصل کرنے کے کئی طریقے ہیں۔ہندسہ،حساب،طب،نجوم،تاریخ اور منطق وغیرہ جیسے علوم درس و تدریس سے حاصل کیے جاتے ہیں۔ان کا تعلق دماغ سے ہوتا ہے۔یہ دماغ کو روشنی عطا کرتے ہیں۔ان کی مدد سے انسان مظاہر فطرت مسخر کر کے انھیں انسانیت کے لئے مفید بناتا ہے۔ان سے اپنی مرضی کے کام لیتا ہے۔یہ انسانی تہذیب وتمدن کے لئے ضروری ہیں۔لیکن اِن علوم میں انسان ہر چیز کو ظاہری آنکھ سے دیکھتا ہے،اس لئے باطنی دنیا تک اس کی رسائی نہیں ہوسکتی۔ظاہری علم یہ بتاتا ہے کہ تم موجود ہو،کھاتے پیتے،اٹھتے بیٹھتے اور چلتے پھرتے ہو۔لیکن تم کون ہو؟ کہاں سے آئے ہو اور کہاں جاؤ گے؟ اس بارے میں کچھ نہیں بتاتا۔باطنی زندگی کے اسرار ورموز جاننے کے لئے حقیقت کا علم ضروری ہے۔حقیقت کا علم نہ درس وتدریس سے حاصل ہوتا ہے اور نہ کتاب اس میں مدد کرسکتی ہے۔یہ علم سارے تعلق توڑ کر کارسازِ حقیقی سے تعلق جوڑنے سے ملتا ہے۔یہ مانگنے والے کی خواہش سے نہیں ملتا بلکہ دینے والے کی عطا سے ملتا ہے۔

علم روشنی ہے جو منزلِ مقصود تک پہنچاتی ہے۔یہ توانائی ہے جس کی مدد سے مظاہرِ فطرت کو مسخر کیا جاسکتا ہے۔یہ ایسی دولت ہے جسے کوئی تجربہ کار چور بھی چوری نہیں کرسکتا۔جسے کوئی طاقت ور آدمی بھی چھین نہیں سکتا۔حضرتِ علیؓ کا قول ہے کہ ”علم دولت سے بہتر ہے،کیوں کہ علم تمھاری حفاظت کرتا ہے اور دولت کی حفاظت تمھیں کرنی پڑتی ہے۔“

علم کی دولت جتنی زیادہ ہوگی،آدمی کا درجہ اُتنا ہی بلند ہوگا۔فرشتوں پر انسان کی فوقیت علم کی وجہ سے ہوئی۔علم سے زندگی میں گہرائی پیدا ہوتی ہے۔یہ انسان کی زندگی میں معنی پیدا کرنے کا وسیلہ ہوتا ہے۔

علم اصلی اور اکمل بھی ہوتا ہے،نقلی اور ناقص بھی ہوتا ہے۔اصلی علم کی نشانی یہ ہے کہ ہمیشہ عاجز،دھیما اور شیریں ہوتا ہے۔اس میں غرور اور گھمنڈ نہیں ہوتا۔اس میں فروتنی اور انکساری ہوتی ہے۔نیوٹن نے قانونِ کششِ ثقل دریافت کرنے کے بعد اپنی علمیت بگھارنے کی بجائے نہایت انکساری سے کہا تھا، ”معلوم نہیں لوگ میرے بارے میں کیا حسنِ ظن رکھتے ہیں لیکن میں اپنے بارے میں اس طرح سوچتا ہوں کہ جیسے میں ایک بچے طرح ساحلِ سمندر پر بیٹھا ملائم ریت کے ساتھ کھیلتا رہا ہوں،لیکن دُور تک پھیلے ہوئے وسیع وعریض سمندر کے بارے میں کچھ بھی نہیں جان سکا۔“

ایک اور موقع پر اس نے کہا تھا،”ہمارا علم ایک قطرے کی طرح محدود ہے اور ہماری بے علمی بحرِ بے کراں کی طرح وسیع ہے۔“

نیوٹن کا علم اصلی اور اکمل تھا،اس لئے اس میں انکساری تھی۔علم ناقص ہو تو اس میں گھمنڈ ہوتا ہے۔اس کا انداز نمائشی ہوتا ہے۔وہ ”میں“ کا اسیر ہوتا ہے۔تکبر کرنے والا علم نہیں سیکھ سکتا۔وہ جہالت کے اندھیرے میں بھٹکتا رہتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم علم حاصل کرنے میں گہری دل چسپی لیتے تھے۔حضرت انسؓ بن مالک سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”علاماتِ قیامت میں سے ایک یہ ہے کہ علم اٹھالیا جائے گا اور جہالت باقی رہے گی۔“

صحابہ کرام بھی علم حاصل کرنے اور پھیلانے میں گہری دلچسپی لیتے تھے۔امام شافعیؒ نے سات سال کی عمر میں قرآن حفظ کیا۔علم حاصل کرنے کے لئے انھوں نے دنیا کا سفر کیا۔حضرت جابرؓ بن عبداللہ ایک حدیث حاصل کرنے کے لئے ایک ماہ کی مسافت طے کر کے عبداللہؓ بن انیس کے پاس گئے۔عمرؒ بن عبدالعزیزؒ نے ابوبکرؒ بن حزم کو لکھا کہ علما کو چاہیے کہ بیٹھیں اور علم پھیلائیں،یہاں تک کہ جو بھی بے علم ہے اسے تعلیم دی جائے۔

اندلس کے اموی حکمرانوں کی علم دوستی کا حال یہ تھا کہ علمی اور فکری میدان میں حیرت انگیز ترقی کی وجہ سے ان کا دَور سپین کا سنہرا دَور کہلاتا ہے۔

الحکم ثانی (۹۶۱......۹۷۶ء)

ہر نئی چھپنے والی کتاب کا پہلا نسخہ حاصل کرلیا کرتا تھا۔اس طرح اس کی لائبریری میں چار لاکھ کتابیں جمع ہوگئی تھیں،جن کی صرف فہرست چوالیس جلدوں پر مشتمل تھی۔الحکم ثانی نے نہ صرف اتنی بڑی تعداد میں کتابیں جمع کی تھیں بلکہ اکثر ان کا مطالعہ بھی کیا ہوا تھا اور ہر کتاب پر مصنف کی تاریخ پیدائش اور جا بجا حواشی بھی لکھے ہوئے تھے۔الحکم ثانی کے دَورِ حکمرانی میں قرطبہ یونیورسٹی شان وشوکت سے تعمیر ہوچکی تھی۔قرطبہ کے علمی ماحول کی وجہ سے اس میں بیس ہزار کتب فروشی کی دکانیں تھیں۔لوگوں کو اپنی ذاتی لائبریاں بنانے کا بہت شوق تھا۔

قرطبہ کا قاضی القضاۃ اور عظیم فلسفی ابنِ رشد عالم ہونے کے باوجود تا دمِ مرگ علم کا متلاشی رہا۔وہ ہر روز سونے سے پہلے مطالعہ ضرور کرتا۔وہ بتاتا ہے کہ وہ صرف دو دن مطالعہ نہ کرسکا،ایک دن جب اس کا والد فوت ہوا اور دوسری بار اُس دن،جب اس کی شادی ہوئی۔

علم حاصل کرنے کے لئے یہ ضروری ہوتا ہے کہ آدمی اپنی بے علمی سے آگاہ ہو۔اسے یہ معلوم ہو کہ وہ کیا جانتا ہے اور کیا نہیں جانتا ہے۔جب کسی کو اپنی بے علمی کا احساس ہوتا ہے تو اس کے دل میں نامعلوم کو معلوم کرنے کی خواہش پیدا ہوتی ہے اور بے خبر باخبر ہوجاتا ہے۔

SARMAD GLOBAL
CHARTERED ACCOUNTANTS

QUALIFIED CHARTERED ACCOUNTANTS WITH BIG 4 EXPERIENCE

FREE TELEPHONE / EMAIL & WHATSAPP SUPPORT

- ✓ Company incorporation / Registered Office Address
- ✓ Personal Income Tax Return investigations,
- ✓ Rental Income Tax Returns
- ✓ UK State Pension Entitlement Review
- ✓ Advice on filling Gaps in UK State Pension
- ✓ UK State Pension / (Contracted Out) Tracing
- ✓ Private UK Pension Tracing.
- ✓ Assets Review for Inheritance Tax
- ✓ Appealing-Past years HRMC Penalties
- ✓ Preparation / Filing of Prior year tax returns
- ✓ Duplicate-Payslips/ P60s

ICAEW CHARTERED ACCOUNTANTS

SARMAD KHAN ACA, FCCA

OFFICE 115 LONDON ROAD MORDEN SURREY SM4 5HP UK
TEL +44(0)208 646 3666 FAX +44 (0)208 082 5002
E-MAIL: INFO@SARMADGLOBAL.COM
WEB. WWW.SARMADGLOBAL.COM
CELL +44 (0) 7903 416966

SAAMS FUNCTION HALL
Catering & Event Management

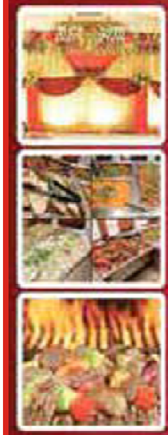

Services Available
- Catering Service
- Special Events
- Corporate Event
- Linen
- Crockery
- Cutlery
- Fresh Flowers
- Drinks
- Stages Decore
- Barbecue Hire

Enquire for a Booking
We Take reservations Everyday

Catering to your requirments
Cell:07883 815195

Under New Management
Newly Refurbished function Hall

TRANSLATIONS
ENGLISH - URDU

ATA TAHIR
DPSI ENGLISH LAW

IOLET DIPLOMA IN PUBLIC SERVICE
Interpreting Urdu-English Law

07818210181
atatahir@hotmail.com

HEATING LTD.
24/7 EMERGENCY SERVICE

Domestic & Commercial
Contact: 07722 222 965
www.247breakdownsolution.co.uk

SHARIF JEWELLERS
SINCE 1952

Timeless Jewels, Priceless Memories

Diamond • Gold • Kundan • Bespoke • Bridal Jewellery
Jewellery Repairs • Bullion Dealer • Best Jewellery Appraisal

WEDDING | PARTY | EVERYDAY

/SharifJewellers

LONDON
28 London Road, Morden
United Kingdom, SM4 5BQ
+44 (20) 3609 4712
+44 (0) 7405 929 636

RABWAH
Aqsa Road, Rabwah
Pakistan, 35460
+92 (47) 6212515
+92 (0) 307 465 7777

FREE CONSULTATION & LEGAL ADVICE
24 Hours Emergency Numbers

مفت قانونی مشاورت
24 گھنٹے ایمرجنسی سروس

07878 33 5000 / 07774222062

RASHID & RASHID LAW FIRM
211, The Broadway, Southall, UB1 1NB.
Near McDonalds Southall.
Tel: 02085 401 666, Fax 02085 430 534
Email: law786@live.com

190 Merton High Street, Wimbledon
London SW191AX
Tel: 02085 401 666, Fax 02085 430 534
Email: law786@live.com

راشد اینڈ راشد لاء فرم
211، دابراڈوے، ساؤتھ ہال، UB1 1NB، نزد میکڈونلڈز ساؤتھ ہال
فون: 02085 401 666، فیکس 02085 430 534
ای میل: law786@live.com

190 میرٹن ہائی سٹریٹ، ویمبلڈن
لندن SW19, 1AX
فون: 02085 401 666، فیکس 02085 430 534
ای میل: law786@live.com

SOW THE SEEDS OF LOVE

Benefit with very competitive rates, tailored advice & service to suit your specific needs, 24 hour response to all online enquiries and our many years of experience
www.rashidandrashid.co.uk

مناسب ریٹس میں آپ کی مخصوص ضروریات کے تحت موزوں مشورہ، 24 گھنٹے آن لائن سروس اور ہمارا سالوں کا تجربہ

- Asylum & Immigration
- New Point Based System
- Settlement Application (ILR)
- European Law
- Nationality & Travel Documents
- Human Rights Applications
- High / Court of Appeals
- Family Matters and Divorce
- Switching Visas
- Over Stayers
- Legacy Cases
- Work Permits
- Visa Extensions
- Judicial Reviews
- Tribunal Appeals
- Student appeals

- اسائلم/سیاسی پناہ اور امیگریشن
- نیا پوائنٹ بیسڈ امیگریشن سسٹم
- ویزا میں تبدیلی
- ویزا توسیع/ایکسٹینشن
- سیٹلمنٹ درخواست (ILR)
- یورپین قانون
- اوور سٹیئرز
- جوڈیشل ریویو
- نیشنلٹی اور سفری دستاویزات
- درخواست برائے انسانی حقوق/ہیومن رائٹس
- وراثتی معاملات/لیگیسی کیس
- ٹرائیبونل اپیل
- ہائی/کورٹ آف اپیل
- طلاق و دیگر خاندانی معاملات
- ورک پرمٹ
- سٹوڈنٹس اپیل

RASHID & RASHID
Solicitors, Advocates
Immigration Specialists
Commissioners of Oaths

راشد احمد خان
وکیل (پرنسپل)